نشاۃِ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

سرپرست

مولانا عبدالحق شیخ الحدیث

مقاصد

علوم اسلام کی ترویج، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جدوجہد، عصر حاضر کے فکری و نظری فتنوں کی سرکوبی، حق کا دفاع، اصلاح معاشرہ، معروفات کا فروغ، منکرات پر تنقید، ملت کو درپیش علمی، سیاسی، سماجی، معاشرتی اور معاشی مسائل میں کتاب و سنت کی ترجمانی، تحقیقی مقالات، فقہی و علمی مضامین، عالم اسلام کے حالات، فتنہ مغربیت کا تعاقب، پر مغز اداریئے، تبصرہ کتب، معیاری ادبیات، دارالعلوم حقانیہ کی ترجمانی، سیاست اسلامی اور حکومت الٰہیہ کا مناد، ملک و بیرون ملک مسلمانوں کے ہر طبقہ میں مقبول، ہر شمارہ عالم اسلام کے چیدہ اور جید اصحاب علم و فضل کی فکری کاوشوں کا حسین مرقع، معیاری کتابت و طباعت، اعلیٰ کاغذ، بہترین ٹائیٹل، سالانہ چندہ ۱۲ روپے، غیر ممالک ہوائی ڈاک سے تین پونڈ، بحری ڈاک سے دو پونڈ۔

الحق کو دُنیائے علم و صحافت کا خراج تحسین

چند خطوط، تحریری تاثرات سے اقتباسات

الجمعیۃ دہلی - علمی جواہر پاروں سے آراستہ۔ تسکین حیات اور ہمہ گیر جذبہ کی متحرک تصویر (مولانا محمد میاں دہلوی)۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند پاکستانی جرائد میں "الحق" کا ایک نیا اور خاص مقام (ازہر شاہ قیصر)، ماہنامہ برہان دہلی مولانا سعید احمد اکبرآبادی۔ علمی بھی، دینی بھی، جدید کے فکری فتنوں پر تنقید بھی، ادبی چاشنی بھی، صدق جدید لکھنؤ (عبدالماجد دریابادی) مذہبی، علمی، دلچسپ، شگفتہ و قیمع، پراز معلومات، پھر خشک اور بزاہرانہ بھی نہیں، الحق کو تجربہ کے لئے کھولا تو دل لگ گیا۔ الفرقان لکھنؤ الحق نے اس راہ کے تجربہ کاروں کو مات کر دیا۔ روزنامہ جنگ پاکستان۔ الحق عالم با عمل بنانے میں ممد و معاون۔ شہاب لاہور (مولانا کوثر نیازی) جدید مسائل پر دور حاضر کے تبحر علماء کے تبرکات اور ظاہری دلآویزی بھی۔ فاران کراچی۔ متجددین مغرب زدوں کے افکار باطل کی تردید ظاہر القارئین، فروا تہران ایران۔ الحق ہمہ جاہمہ مطالب و موضوعات از زندہ و علوم اسلام۔ ماہنامہ وحید تہران۔ یہ مجلہ ہائے معتبر و مفید پاکستان، مادی مطالب سودمند۔ امروز لاہور اس قدر شگفتہ اور شستہ زبان کہ ملک کے چوٹی کے دینی رسالوں میں شمار ہوا۔ الاعتصام لاہور صحیح نمایاں محنت ظاہری و باطنی خوبیوں کا مرقع۔ قاری محمد طیب دیوبند (ایک اداریہ کے بارہ میں) انشاء و ادب بھی ماشاءاللہ زبان اور سلاست بیان بھی قابل قدر اور لائق صد تحسین (یہ اداریہ میرے لئے) دستاویزی بہت ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھنؤ۔ الحق دیکھنے سے ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مرض کی صحیح تشخیص کر لی ہے، ندوۃ العلماء کے اساتذہ و طلبہ استفادہ کرتے رہتے ہیں، خصوصاً اداریئے بہت ہی جاندار اور از دل خیزد بر دل ریزد کا صحیح مصداق ہیں۔ مولانا محمد میاں دہلوی ؒ۔ ہر حرف شاندار ماضی، اعلائے حق فریضہ مسلم ہے طبیعت چاہتی ہے کہ الحق کی بھی کچھ خدمت کروں۔ مولانا ابوالوفاء افغانی ؒ حیدرآباد دکن۔ ماشاءاللہ بہت ہی علمی اور معیاری مجلہ۔ مولانا زکریا شیخ الحدیث سہارنپوری۔ دارالعلوم اور ماہنامہ الحق کے لئے ہر نوع ترقیات سے نوازنے کا دعاگو ہوں۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ الحق وقت کی ضرورت۔ مولانا عبداللہ درخواستی۔ الحق نام بھی عجیب ہے حق پر چلنے اور رہنے کی دعا کرتا ہوں۔ مولانا عبیداللہ انور۔ الحق ہندوستان کے معارف اور برہان کی کمی کو پورا کرے گا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ۔ الحاد، تحریف، تجدد کے خلاف مضامین الحق میں بھیجا کروں گا۔

علامہ محمد یوسف بنوری۔ اداریہ پڑھ کر دل سے دعا نکلی بے حد مسرت ہوئی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ علامہ شمس الحق افغانی معیاری پرچہ کے اصول پر پورا اور معیاری ادبیت کی راہ پر گامزن۔ مولانا محمد زکریا بنوری ؒ مضامین کا گنجینہ خصوصاً نقش آغاز بار بار اور غور سے پڑھنے کا۔ زیڈ اے سلہری۔ اسے علم کا خزینہ سمجھتا ہوں۔ ڈاکٹر حمیداللہ پیرس۔ الحق بھیجنے کا ممنون ہوں۔ نعیم صدیقی۔ قیمتی علمی سرمایہ اور گرد کے قحط ہائے رنگا رنگ کا ذخیرہ قابل استفادہ رسائل میں بطور خاص شامل۔ پروفیسر حسن عسکری۔ دین کی مدافعت کا کام انصاف و اعتدال کے ساتھ اس کے برابر کوئی اور رسالہ نہیں پہنچ سکتا، حق بات کے بے خوف اداریئے۔ حکیم محمد سعید ہمدرد اسلام کے مختلف پہلوؤں تعلیم، سیاست، تاریخ، قرآن و حدیث کا جامع۔ انعام اللہ خان مؤتمر عالم اسلامی۔ الحق مسلمانوں اور عالم اسلام کی بڑی خدمت کر رہا ہے مؤتمر کامیابی کی دعا۔ قاضی عبدالصمد سربازی ؒ اصلاح و تبلیغ کے منصوبے کا حامل جامع ہر طبقہ کے لئے مفید اور کارآمد۔ حفیظ جالندھری۔ الحق میں بہت کچھ ان مسائل کے بارہ میں موجود ہے جو ہم سب کو طنز کا ورد کرنے والوں کو درپیش ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لاہور۔ خادیانیت نمبر کے بارہ میں آپ نے آراء کا بہت عمدہ مجموعہ فراہم کر لیا جو آگے چل کر دینی مقاصد کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

○ ماہنامہ الحق ○ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور پاکستان

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنّت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دار العلوم ۔ ۴

فون نمبر رہائش ۔ ۲

مدیر : سمیع الحق

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۱۵/- روپے ۔ فی پرچہ ایک روپیہ ۵۰ پیسے
بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

جلد نمبر : ۱۲
شمارہ نمبر : ۵

صفر المظفر ۱۳۹۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتخابات کا مرحلہ سر پر ہے اور سیاسی سرگرمیاں لمحہ بہ لمحہ شدت اختیار کرتی جا رہی ہیں۔ قوم نے نئی کروٹ لی ہے۔ اور اپوزیشن جماعتیں پاکستان قومی اتحاد کے نام سے صف واحد بن کر برسر اقتدار طبقہ اور اس کے نظام سے برسر پیکار ہو چکی ہیں۔ پاکستان قومی اتحاد منشور شریعت اسلامیہ کے نفاذ دینی اور اخلاقی اقدار کے قیام اور منکرات کے استیصال کا نوید بن کر قوم کو نئے ولولہ اور نئی زندگی کا ذریعہ بن چکا ہے۔ ملک کے اس انقلابی جدوجہد کے موقع پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ بھی تحصیل نوشہرہ سے زعماء ملک وملت اور عام مسلمانوں کے شدید اصرار پر قومی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لے رہے ہیں۔ ان کے حریف صوبائی وزیر اعلیٰ جناب نصر اللہ خان خٹک ہیں جو اب مجبوراً اپنی سرکاری سطوت وشوکت اور لاؤ لشکر سے میدان میں اتر چکے ہیں۔ مجبوراً اس لئے کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے اس وسیع وعریض اور دور دراز پہاڑی اور دیہاتی علاقوں پر مشتمل حلقہ کے لوگوں کو جو عقیدت اور محبت اور والہانہ تعلق واعتماد ہے۔ اسکی بناء پر بحمد اللہ کسی بھی حریف کو اپنی شکست یقینی معلوم ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اولاً تو جناب وزیر اعلیٰ صاحب نے حضرت شیخ الحدیث کا مقابلہ سے دستبرداری کا جھوٹا اعلان کرایا اور دستبرداری کے جعلی کاغذات ریٹرننگ آفیسر کے پاس داخل کرائے۔ اس خبر سے پورے ملک کے مسلمانوں پر بجلی گری اور حلقہ انتخاب میں ماتم کا سماں پیدا ہوا۔ لوگ بے تحاشا گھروں سے نکل آئے اور اس عظیم فراڈ اور جھوٹ پر احتجاج کرنے لگے۔ مقدمہ الکشن کمیشن کے سامنے آیا تو جعلی کاغذات اور بوگس دستخطوں کی قلعی کھل گئی اور کمیشن نے حضرت شیخ الحدیث کے حق میں فیصلہ دیا جس سے پورے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ (یہ سب تفصیلات پریس' ریڈیو کے ذریعہ قوم تک پہنچ چکی ہیں۔)

اب انتخابی مہم شروع ہے۔ اور بحمد اللہ تحصیل نوشہرہ کے غیور اور دردمند مسلمان ۹۵ فیصد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں۔ قارئین دعا فرماویں کہ انتخابات کے مرحلہ پر بھی مخالفین کے مکروفریب سے لبریز منصوبوں کو ناکامی ہو اور ان کی تمام معاندانہ سازشیں حضرت شیخ الحدیث کے حق میں مزید خیر اور کامیابی کا ذریعہ بن جائیں۔ اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم۔

چونکہ احقر راقم کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے بعد اب تک کے تمام حالات اور اب انتخابی مہم میں شدید طور پر الجھا ہوا ہے۔ اس لئے ان چند سطور ہی کو نقش آغاز کے مشتاقین کی خدمت میں پیش کرنے پر اکتفاء کر رہا ہے۔ کہ یہ وقت قلم کا نہیں عمل کا ہے۔ جہاد وجہد حق کے کارزار میں بساط قلم وقرطاس لپیٹ دینا ہی وقت کا تقاضا ہوتا ہے۔ میری دعا ہے۔ کہ انتخابی مرحلہ پوری قوم اور ملک کے لئے دین ودنیا کی سرخروئیوں کا موجب بنے۔ اور پوری قوم اس بحران سے سرخرو ہو کر نکلے۔ آمین۔

سمیع الحق

چوہدری رستم علی صاحب

حالیہ انتخابات اور قادیانی سازشیں

انتخابات کے اعلان کے بعد سے قادیانی بڑے سرگرم دکھائی دے رہے ہیں۔ پاکستان کی تاریخ کے ہر مرحلے میں قادیانیوں نے بیرونی طاقتوں کے اشارے میں پاکستان کی سیاست میں مداخلت کی اس خونچکاں داستان کے کئی ابواب ہیں ہم صرف چند باتیں عرض کریں گے۔ مرزا محمود پاکستان کے قیام سے ایک سال قبل ۱۹۴۶ء میں دہلی پہنچے، جہاں سیاسی صورت حال کا مطالعہ کیا، وائسرائے اور وزیر ہند سے مذاکرات کئے اور تقسیم ہند کے خلاف سازش کو پروان چڑھانے کے لئے تگ و دو کرتے رہے پہلے ظفر اللہ کی معرفت یہ کوشش کی گئی کہ قادیان کو پوپ کے شہر ویٹیکن سٹی کی طرح آزاد علاقہ قرار دے دیا جائے اور برطانیہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے یہاں اڈا جمائے لیکن قادیانیوں کی اس تجویز کو لیبر حکومت کے فارن آفس میں پذیرائی حاصل نہ ہوئی، اس کے بعد منصوبہ بندی کمیشن کے سابق چیئرمین ایم ایم احمد کے والد مرزا بشیر احمد ایم اے نے جنہیں قادیانی قمر الانبیاء کہتے ہیں سکھوں کے لیڈر وریام سنگھ کے ساتھ ساز باز کر کے قادیان کو آزاد سٹیٹ بنانے کی سازش کرتے رہے جسے سکھ رہنما ماسٹر تارا سنگھ اور گیانی ذیل سنگھ نے کامیاب نہ ہونے دیا۔ جب مرزا محمود نے دیکھا کہ پاکستان ناگزیر ہے، اور ہندوستان تقسیم ہو کر رہے گا تو انہوں نے ایک نیا پینترا بدلا۔ انہوں نے دبے لفظوں میں اکھنڈ ہندوستان کا نعرہ لگایا اور کہا کہ اگر ہندوستان تقسیم بھی ہو گیا۔ تو یہ تقسیم عارضی ہو گی [۲]

مرزا محمود نے برطانوی آقاؤں سے صلاح مشورے کئے اور پنجاب کے گورنر سر فرانسس موڈی کے اشارے پر ستمبر ۱۹۴۷ء میں قادیان چھوڑ کر لاہور آگئے۔ آپ نے برقعہ پہنا اور میجر جنرل نذیر احمد قادیانی کی فوجی گاڑی میں بیٹھ کر قادیان سے امرتسر روانہ ہوئے۔ کیپٹن عطا اللہ قادیانی آپ کے ہمراہ تھے۔

---

[۱] الفضل ۱۲ جون ۱۹۵۵ء [۲] الفضل ۵ اپریل ۱۹۴۷ء

واضح رہے کہ یہ وہی میجر جنرل نذیر احمد ہیں جو سر ظفر اللہ کے ہم زلف ہیں، اور جنہوں نے ۱۹۵۱ء میں پاکستان کے خلاف پنڈی میں کمیونسٹ فوجی بغاوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پنڈی سازش کیس میں دو قادیانی شامل تھے۔

غرضیکہ مرزا محمود رتن باغ لاہور پہنچے۔ انہوں نے سر ظفر اللہ سے صلاح مشورے کے بعد کشمیر کی سیاست میں دخل اندازی شروع کر دی۔ ۱۹۳۰ء میں مرزا محمود نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے پلیٹ فارم کو قادیانیت کی تبلیغ اور کشمیر کو قادیانی سٹیٹ بنانے کے لئے استعمال کیا تھا۔ اور اس سازش کو اکابرین احرار اور علامہ اقبالؒ نے ناکام بنا ڈالا تھا۔ اب انہوں نے فرقان بٹالین بنائی اور ایک مجہول قادیانی غلام نبی گلکار کے ذریعہ آزاد قادیانی حکومت کے قیام اور اسکی سربراہی کے خواب دیکھنے لگے۔ حریت پسند کشمیریوں خصوصاً سردار محمد ابراہیم خان اور سید نذیر حسین شاہ نے قادیانی سازشوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن قادیانی اتنے دیدہ دلیر اور مفتری ہیں، کہ برابر دعویٰ کرتے چلے آرہے ہیں، کہ ہم نے آزاد کشمیر حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے۔ حالانکہ ہر کشمیری رہنما اسکی تردید کر چکا ہے، لیکن یہ اپنی بات دہراتے چلے آرہے ہیں [۱]

کشمیر کو راستہ دینے کے لئے سر ظفر اللہ نے باونڈری کمیشن میں عجیب و غریب مؤقف اختیار کیا ایک برطانوی جغرافیہ دان مسٹر سپیٹ SPATE کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے قادیانیوں کے مؤقف کو جو وہ قادیان کے بارے میں ریڈکلف کو پیش کرنا چاہتے تھے، اعداد و شمار اور نقشہ جات سے مزین کیا، لیکن پہلے سے کئے گئے فیصلے کے مطابق گورداسپور ہندوستان کو مل گیا جس کے باعث اسے کشمیر پہ قبضہ جمانے میں آسانی ہوگئی۔ قادیانیوں کا سب سے بڑا سرپرست جنرل گریسی (GRACY)، پاکستانی افواج کا سی، این، سی تھا، جو قادیانیوں کی فوجی کاروائیوں میں ان کا مشیر تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت قائد اعظمؒ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا کشمیر میں فرقان بٹالین کی شرمناک سرگرمیوں سے تنگ آکر پونچھ کے عوام نے جوابی کاروائیاں کیں۔ مسلم کانفرنس کے جنرل سیکرٹری آفتاب احمد نے ایک اخباری بیان میں قادیانیوں کی شرمناک کاروائیوں کو بے نقاب کیا:

پاکستان میں بیٹھ کر مرزا محمود نے کشمیر ہی میں سازش نہیں کی۔ بلکہ بلوچستان کو قادیانی صوبہ بنانے کے خواب بھی دیکھنے لگے۔ مرزا محمود کے بلوچستان کے اے جی مسٹر جیفرے کے ساتھ گہرے مراسم تھے، جو قادیانیوں کی سیاسی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے میں مصروف تھے۔ در اصل ۱۹۴۷ء میں کوئٹہ کے پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر ڈبی۔ وائی فل نے مرزا محمود کو یقین دہانی کرائی تھی، کہ اگر وہ بلوچستان میں اقتدار سنبھالنے کے قابل ہوں تو انگریز ان کی پوری پوری مدد کریں گے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء کو الفضل لاہور میں مرزا محمود نے کوئٹہ کو تبلیغ کی بیس

---

[۱] تاریخ احمدیت جلد ششم

بنانے کا جو اعلان کیا وہ اسی سازش کی کڑی تھی۔ یہ تمام ریکارڈ ۱۹۵۳ء کے فسادات کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے۔ برطانوی سامراج کی شخصی یادگار سر ظفر اللہ نے بونڈری کمیشن میں جو طرز عمل اختیار کیا، اس کے نتیجے میں ہندوستان کو گورداسپور کا راستہ ملا اور اس نے کشمیر پر تسلط جمایا۔ اس طرح سر ظفر اللہ نے بقول وزیر اعظم پاکستان اقوام متحدہ میں طویل اور بے جا طور پر لمبی تقریریں کیں جس سے مسئلہ مزید الجھا، ایسے ہی اس نے اقوام متحدہ کے اس اجلاس میں ایک عجیب و غریب موقف اختیار کیا جس میں فلسطین کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ سر ظفر اللہ کو اگرچہ پاکستان کا فلسطین اور عربوں کے بارے میں واضح موقف پیش کرنا تھا، لیکن اس سامراجی۔ صیہونی گماشتے نے فلسطین کی تقسیم پر دو ٹوک طرز عمل اختیار کرنے کی بجائے "ترمیم شدہ تقسیم فلسطین" کے منصوبے کو کامیاب بنانے کی کوشش کی سر ظفر اللہ کے اس منصوبے AMENDED PARTITION PLAN نے فلسطینی عربوں کے وفد کے قائد جمال الحسینی کو چونکا دیا اور انہوں نے آپ کو اس منصوبے کے بارے میں متنبہ کیا۔ اس واقع کو سر ظفر اللہ نے اپنی خود نوشت تحدیث نعمت میں بھی رقم کیا ہے۔

وزیر خارجہ کے عہدے پر فائز ہو کر سر ظفر اللہ نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کے خطوط کی تشکیل پر اثر ڈالا اور ہم آزادانہ اور حقیقت پسندانہ خارجہ پالیسی کی بجائے عالمی کشمکش میں افراط و تفریط کا شکار ہو گئے [1] سر ظفر اللہ ہی نے سیٹو SEATO کے معاہدے میں پاکستان کو پھنسایا۔ جس وقت یہ معاہدہ عمل میں آیا تھا۔ اس وقت پاکستان کے وزیر اعظم محمد علی بوگرہ تھے۔ سر ظفر اللہ اس معاہدے کی تکمیل کے لئے پاکستان کی طرف سے معاہدے کے مسودے پر دستخط کرنے کے مجاز تھے جب انہوں نے معاہدے کی اس شق کو قبول کر کے دستخط کر دیئے جس کے مطابق معاہدہ صرف کمیونسٹ بلاکوں کیطرف سے حملہ کی صورت میں کار آمد ہو سکتا تھا تو محمد علی بوگرہ اس پر سخت برہم ہوئے کیونکہ یہ سراسر ان کی منشار کے خلاف تھا، انہوں نے سر ظفر اللہ کو ایک کیبل اس مضمون کا روانہ کیا کہ معاہدے کی یہ شرط قابل قبول نہیں [2] لیکن سر ظفر اللہ نے اپنے سامراجی آقاؤں کے لئے جو کرنا تھا وہ کر گزرے۔

پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازش میں سر ظفر اللہ پیش پیش تھے تو ملک کے اندر ایم ایم احمد پاکستان کی منصوبہ بندی پر قابض تھے۔ یہودی ادارے فورڈ فاؤنڈیشن کے افسران کے اشاروں پر اس صیہونی گماشتے نے جس منصوبہ بندی کی بنیاد رکھی [3] اس نے پاکستان کو دولخت کر دیا۔

---

[1] نوائے وقت لاہور یکم فروری ۱۹۷۲ء [2] چٹان لاہور، ۲۹ نومبر ۱۹۷۱ [3] آرٹ لک کراچی ۲۲ جولائی ۱۹۷۲

بنگلہ دیش کے مقتدر رہنما مولانا فرید احمد نے اپنی کتاب سورج بادلوں کی اوٹ میں THE SUN BEHIND CLOUDS ۱۹۶۹ء میں تالیف کی اس میں آپ نے بہت سے انکشافات کیے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ موتمر عالم اسلامی کے (جنرل سیکرٹری) عنایت اللہ نے انہیں کراچی میں بتایا کہ یہودی ایم ایم احمد کی معرفت اپنی کاروائیوں میں معروف ہیں اور انہیں تل ابیب سے ہدایات ملتی ہیں قادیانیوں اور یہودیوں کی سازباز اتنی عیاں ہے، کہ نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ ڈھاکہ میں ۱۹۷۱ء میں اہم مذاکرات کے موقع پر ایم ایم احمد نے نہایت گھناؤنا کردار ادا کیا۔ اخبار جنگ کراچی نے ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں لکھا کہ :

"یہاں (مشرقی پاکستان) میں صدر کے اقتصادی مشیر کے دوبارہ تسلط اور تقرر پہ مذمت کی جا رہی ہے۔ پھر جب انہیں مشرقی پاکستان میں طوفان زدہ افراد کی آبادکاری کا رابطہ کمیٹی کا چیئرمین مقرر کیا گیا تو بھی بہت شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا تھا اب یہاں سیاسی بحران کے حل کے لئے ہونے والے مذاکرات کے موقع پر ان کی موجودگی کو بامعنی قرار دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ ایم ایم احمد کو میٹروپولیٹن سیاسی گروپ کا سب سے بڑا طاقتور بیوروکریٹ ترجمان تصور کیا جاتا ہے اور اسی گروپ کو ملک کے بحران کا ذمہ دار قرار دیا جا رہا ہے۔"

۱۹۷۴ء میں عوامی تحریک اور علمائے حق کی مساعی جمیلہ سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا اور آئین میں ترمیم کر دی گئی لیکن قادیانیوں نے اس ترمیم کو نشانۂ استہزاء بنا رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے باقاعدہ قانونی صورت دے کر نافذ نہیں کیا گیا۔ حکومت کا یہ دعویٰ کہ اس نے ۹۰ سالہ پرانا مسئلہ حل کر دیا ہے، سو فیصدی درست نہیں کیونکہ قادیانی بڑے شرمناک انداز سے بیرونی ممالک میں پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ قادیانیوں کے لندن مشن نے "پاکستان میں احمدیوں کی حالت زار" کے بارے میں جو مواد شائع کیا ہے۔ اور بیرونی پریس خصوصاً صیہونی پریس کی ۱۹۷۴ء کے واقعات کے بارے میں آراء کو جس انداز سے جمع کر کے پیش کیا گیا ہے، ہمارے نزدیک وہ قابل مذمت فعل ہے۔ برطانیہ کے طول و عرض میں قادیانیوں کے ۰۰ تبلیغی مراکز قائم ہیں۔ انتخابات کے اعلان کے بعد چھ مراکز میں خفیہ اجلاس منعقد ہوئے ہیں گلاسکو میں بی۔ اے آرچرڈ، برنگھم میں چوہدری عبدالحفیظ، مشرقی لندن میں مرزا مجیب احمد لیڈز میں ایس۔ این احمد، مانچسٹر میں اے آر بھٹی نے خفیہ اجلاس بلائے۔ انہوں نے یو کے مشن کے انچارج مسٹر رفیق کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھا ہوا ہے، اور پاکستان انتخابات میں قادیانیوں کے مفادات کے تحفظ کے اقدامات اور مستقبل کی پالیسیوں پر غور و خوض ہو رہا ہے۔ پاکستان ٹائمز راولپنڈی کی ۲۴ جنوری ۱۹۷۷ء کی اشاعت میں قادیانیوں نے ایم اے پاس نوجوانوں کو لندن میں تعلیم کے لئے دو وظائف دینے کا اعلان کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں انجمن احمدیہ ربوہ سے رابطہ قائم کرنے کی درخواست کی ہے۔ یہ طریقۂ تبلیغ انوکھا ہے اور

باقی صفحہ پر

مولانا ڈاکٹر غلام محمد صاحب - کراچی

حافظؒ اور عرفانِ حافظ

چند برس ہوئے کہ میں نے ایک ناشرِ کتب کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ حکیم الامتؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تالیف "التکشف عن مہمات التصوف" میں عارف شیرازؒ کی مشکل غزلوں اور اشعار کی جو شرح "عرفانِ حافظ" کے نام سے لکھی ہے، اسکو علحدہ کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے تاکہ نہ صرف اہلِ ذوق اس سے مستفید ہوں بلکہ کالجوں کے پروفیسروں اور ایم اے کے طالب علموں کے لئے بھی یہ شرح کام آ جائے، ناشر نے اس کا پکا وعدہ کر لیا اور اس پر ایک تعارف یا مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ اسکی فوراً ہی ذوق و شوق سے تعمیل ہو گئی، مگر پھر اس نے ٹال مٹول شروع کر دی اور یہ کام رہ گیا، بہرحال یہ وہی مضمون ہدیۂ ناظرین ہو رہا ہے، کیا عجب کہ مضمون نگار کی یہ تمنا کہ "عرفانِ حافظ" الگ چھپ جائے کسی اور خوش بخت کے حصہ میں آ جائے اور اس وقت یہ مضمون اس میں شریک ہو سکے۔

شمس الدین - محمد - حافظ شیرازی اقلیم غزل کے شہنشاہ، اہلِ سخن کے سرتاج! مدرسوں اور کالجوں میں ان کی شاعری کی دھوم دھام، رندوں کی محفل میں ان کا غلغلہ! اُن کی غزلوں سے اہلِ سماع مدہوش، ان کے اشعار سے سالکینِ طریقت میں راستہ کا شعور اور بڑھے چلنے کا جوش و عزم! عارفین ان کی یافت کو سندِ معرفت بنائے ہوئے، شیوخ ان کے دیوان کو قرابادینِ تصوف کا درجہ دیئے ہوئے اور عوام کے ہاتھ میں یہی مقدس دیوان نامعلوم مستقبل کا آئینۂ حال بنا ہوا ــــــ غرض ہر جگہ حافظ کا چرچا اور ہر سمت ان کا شہرہ، پھر بھی جسقدر وہ جانے پہچانے ہیں اسی قدر چھپے چھپائے بھی ہیں، بڑے بڑے محقق اور نامور مورخ ان کے سوانح کی کھوج میں نکلے، پر یقین کے ہاتھ جو واقعات لگے وہ اتنے مختصر تھے کہ اس سے حیاتِ حافظ کا کامل اور ہو بہو مرقع تیار کرنا محال تھا، علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے اپنی ساری کدوکاوش کا حاصل یہ لکھا ہے:

"تاریخِ شاعری کا کوئی واقعہ اس سے زیادہ افسوسناک نہیں ہو سکتا کہ خواجہ حافظؒ کے حالاتِ زندگی اس قدر کم معلوم ہیں کہ تشنگانِ ذوق کے لب بھی تر نہیں ہو سکتے ۔۔۔ ہمارے تمام تذکرہ نویسوں نے جو کچھ لکھا ہے، ان سب کو جمع کر دیا جائے تب بھی ان کی زندگی کا کوئی پہلو نمایاں ہو کر نہیں نظر آتا، جس قدر تذکرے ہیں۔ سب ایک دوسرے سے ماخوذ ہیں اور وہی چند واقعات ہیں جنکو بہ اختلافِ الفاظ سب نقل کرتے آئے ہیں۔ ان سب میں عبدالنبی فخر الزمانی نے اپنے تذکرۂ میخانہ میں جو جہانگیر کے عہد میں ۱۰۳۶ھ میں لکھا گیا، ابتدائی حالات اوروں کی بہ نسبت اچھے بہم پہنچائے ہیں۔ حبیب السیر میں جستہ جستہ کچھ واقعات ملتے ہیں، خود حافظ کے کلام میں جابجا واقعات کے اشارے ہیں۔" [1]

اس مختصر اور مجمل سرمایہ سے بقولِ شبلیؒ، حافظ کی تصویر تو کیا کھنچ سکے، تصویر کا خاکہ بھی نہیں تیار کیا جا سکتا بلکہ خاکہ کی چند لکیریں ہی کھینچی جا سکتی ہیں۔ [2]

نسب | خواجہ حافظؒ کے دادا جن کا نام تذکروں میں نہیں ملتا، اصفہان کے مضافات کے باشندے تھے اتابکانِ شیراز کے زمانہ میں وہ شیراز آکر رہ گئے تھے، ان کے فرزند بہاء الدین ہوئے جو یہاں کے نامور تاجروں میں شمار ہونے لگے تھے، ان کے تین بیٹے تھے جن میں شمس الدین محمد سب سے چھوٹے تھے، جو بعد میں حافظ شیرازی کے نام سے شہرت کے کمال کو پہنچے۔

پیدائش | حافظ کا سنِ پیدائش معلوم نہیں، بس اتنی بات یقینی ہے کہ وہ آٹھویں صدی ہجری کی ابتدا میں پیدا ہوئے۔

غربت میں پرورش | خواجہ حافظؒ کے والد گو مالدار تھے۔ مگر ان کا انتقال خواجہ صاحب کی کم سنی میں ہو گیا تھا، ان کے دو بڑے لڑکوں نے باپ کی کمائی بے دردی سے اڑا دی اور پھر غربت کا شکار ہو کر شیراز سے نکل گئے۔ البتہ خواجہ صاحب اپنی ماں کے ساتھ وہیں رہے، تنگدستی اور فاقہ کشی سے مجبور ہو کر والدہ نے اپنے لختِ جگر کو ایک شخص کے حوالہ کر دیا کہ اپنی خدمت میں رکھ کر کھانے پینے کی کفالت کرے، خواجہ صاحب جب سنِ شعور کو پہنچے تو اس شخص کی بدکرداری سے برداشتہ خاطر ہو کر علٰحدہ ہو گئے اور خمیر بنانے کا پیشہ اختیار کر لیا، آدھی رات سے اٹھ کر صبح تک خمیر گوندھتے، جو آمدنی ہوتی اس میں سے ایک تہائی اپنی والدہ کو دیتے، ایک تہائی اپنے استاد (معلم) کو اور باقی راہِ خدا میں خرچ کر دیتے تھے، یہ بھاڑا مدانہ کردار اس

---

[1] و [2]۔ ملاحظہ ہو شعر العجم (حصۂ دوم) از علامہ شبلی نعمانیؒ

طفلِ مکتب کا۔!

تعلیم | ابتدائی تعلیم شیراز ہی کے ایک مکتب میں حاصل کی اور خود اپنے شوق اور اپنی گرہ سے خرچ کر کے حاصل کی، یہیں قرآن پاک بھی حفظ کیا، تجوید و قرأت بھی سیکھی بلکہ ان کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو اس فن پر عبور حاصل تھا، فرماتے ہیں ؎

عشقت رسد بفریاد از خود بسان حافظ   قرآن زبر بخوانی در چار دہ روایت

اس ابتدائی تعلیم کے بعد وہ شمس الدین محمد عبد اللہ شیرازی کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے جو ایک بڑے مفسّر اور فقیہہ تھے اور دور دور سے لوگ آکر ان سے فیض یاب ہوتے تھے، خواجہ صاحب نے اپنے استاد پر اپنی ذہانت کا ایسا سکہ جمایا کہ وہ ان کے شاگردِ رشید بن گئے اور استاد نے اپنا لقب شمس الدین ان کو عطا کر دیا۔[1]

قرآن پاک سے شغف | خواجہ صاحبؒ کے علمی ذوق کا محور قرآن پاک تھا۔ اور علامہ زمخشری کی تفسیرِ کشاف، معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور پر اُن کو پسند تھی، چنانچہ انہوں نے کشاف پر حاشیہ بھی عربی زبان میں لکھا ہے، خود فرماتے ہیں ؎

زحافظانِ جہاں کس چو بندہ جمع نہ کرد   لطائف حکماء با کتابِ قرآنی

ان کو اپنے قرآنی شغف پر ناز تھا، چنانچہ ان کے اشعار میں اس کے اشارے ملتے ہیں ؎

ندیدم خوشتر از شعرِ تو حافظ   بہ قرآنے کہ اندر سینہ داری

معمول تھا کہ ہمیشہ جمعہ کی رات کو مسجد کے مقصورہ میں تمام رات خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے۔"[2]

خود خواجہ صاحب کو اعتراف ہے کہ انہیں جو کچھ ملا قرآن پاک ہی کی بدولت ملا ؎

صبح خیزی و سلامت طلبی چوں حافظ   آنچہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم

شب خیزی | خواجہ صاحبؒ شب زندہ دار انسان تھے، جسکا اندازہ اوپر کے شعر سے بھی ہوتا ہے، اور کئی اشعار سے بھی۔ مثلاً ؎

بس دعائے سحرت مونس جاں خواہد بود   تو کہ چوں حافظِ شب خیز غلامے داری

عربی پر عبور | مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں ——" کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے علوم

---

[1] "حیاتِ حافظ" از اسلم جیراج پوری —— یہ ۱۹۰۹ء کی تصنیف ہے۔ جب جیراج پوری صاحب ابھی اتنے بڑے محقق نہیں بنے تھے کہ حدیثِ رسولؐ کے انکار پر کمربستہ ہو جاتے۔ [2] شعر العجم (حصہ دوم)

درسیہ کی تحصیل مستعدانہ کی تھی، اکثر غزلوں میں عربی کے مصرعے جس برجستگی سے لاتے ہیں۔ اس سے ان کی عربیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ بعض غزلوں میں متعدد شعر خالص عربی میں ہیں اور سلاست و فصاحت میں جواب نہیں رکھتے ہیں[1]

بیا ساقی بدہ رطل گرانم ! سقاك الله من كاس دهاق

فهاني الشيب من وصل الغوادي سوى تقبيل خدّ واعتناق

سلام الله من كرّ الليالي

على ملك المكارم والمعالي

وغیرہا۔

پہلے شاعری میں ناکامی حافظؒ کا زمانہ شعر و شاعری کی بہار کا زمانہ تھا، گھر گھر شاعری کا چرچہ اور سخن سنجی کا ذوق عام تھا، خواجہ حافظؒ کے محلہ میں ایک بزاز (کپڑے کا تاجر) تھا، وہ سخن سنج اور موزوں طبع تھا اور اس مناسبت سے ارباب ذوق وہاں جمع رہتے تھے، اور شعر و سخن کی محفلیں گرم رہتی تھیں، خواجہ صاحب کی طبیعت بھی اس سے متاثر ہوئی اور شعر گوئی کا ولولہ ان میں پیدا ہوا۔ لیکن طبیعت چونکہ موزوں نہ تھی اس لئے شعر بے تکے کہتے تھے اور جب سناتے تو لوگ ان کو بناتے تھے، یہاں تک کہ خواجہ صاحب سامان تفریح بن کر رہ گئے اور لوگ محض لطف اندوزی کے لئے انہیں اپنی محفلوں میں لے جاتے تھے، دو سال یہی حال رہا۔ جب استہزا حد سے بڑھا تو خواجہ صاحب کے دل کو ٹھیس لگی، زندوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے جاتے تو کہاں جاتے؟ لاچار بابا کوہیؒ کے مزار پر جا پہنچے اور پھوٹ پھوٹ کر رو دئے،

شاعری میں کمال کا روحانی سبب اسی شکستہ دلی اور رنجوری کی حالت میں رات کو جو سوئے تو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ان کو لقمہ کھلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ "جاب تجھ پر تمام علوم کے دروازے کھل گئے"۔ نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ باب العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں، خواجہ صاحب جب نیند سے جاگے بالکل غم و رنج سے پاک، تر و تازہ تھے، اب ان کا سینہ معارف کا گنجینہ اور ان کی زبان حقائق غیب کی ترجمان تھی، صبح اٹھتے ہی وہ معرکہ کی غزل کہی جس کا مطلع ہے ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند و ندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

جب شہر میں نکلے تو لوگوں نے حسب معمول پڑھنے کی فرمائش کی، خواجہ صاحب نے تازہ بہ تازہ غزل پڑھی، سب حیران رہ گئے سمجھے کہ کسی سے لکھوا لائے ہیں، امتحان لیا، ایک طرح دی، عارف شیرازؒ نے اس میں بھی لاجواب غزل کہی، پھر تو گھر گھر ان کے کمال کی شہرت ہوگئی، ملا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ نے اسی لئے ان کو

[1] شعر العجم (حصہ دوم)

لسان الغیب کہا ہے۔[1]

سلسلۂ طریقت | یقینی طور پر کچھ پتہ نہیں چلتا کہ حافظ شیرازیؒ کب اور کس سے بیعت ہوئے، ملا جامیؒ نے بھی اس سلسلہ میں بالکل لاعلمی ظاہر کی ہے، البتہ منتخب التواریخ میں ہے کہ وہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ (ف ۷۹۱ھ) کے مرید تھے، اور یہ کہ جب خواجہ نقشبندؒ حج کو جا رہے تھے، تو شیراز میں بھی چند دن ٹھہرے، یہیں خواجہ حافظ نے ان سے بیعت کا شرف پایا اور صحبت سے مستفید ہوئے پھر شیخ جب حج سے لوٹے تو دوبارہ خواجہ حافظ کو ان کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا[2] باقی اس افواہ کی کوئی سند نہیں ملتی کہ وہ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے ـــــ جو بات کامل یقین سے کہی جا سکتی ہے وہ بس یہ ہے کہ خواجہ صاحب کسی سلسلۂ طریقت سے ضرور منسلک تھے! اور اپنے شیخ طریقت کے کمالات و تصرف باطنی کے حد درجہ معترف تھے، فرماتے ہیں ؎

کیمیائیست عجب بندگیٔ پیرِ مغاں   خاک اوگشتم و چندیں درجاتم دادند

بندۂ پیرِ خراباتم کہ لطفش دائم است   زانکہ لطفِ شیخ و زاہدگاہ ہست وگاہ نیست

حافظ جناب پیرِ مغاں جائے عشرت است   من ترکِ خاک بوسیٔ ایں در نمی کنم! وغیرہ

سادہ و پاک زندگی | دورِ حافظ کے کسی تذکرہ نگار نے عارفِ شیراز کے زہد اور پاکبازی میں شبہ ظاہر نہیں کیا ہے، خود ان کا کلام بتاتا ہے کہ وہ ایک شب زندہ دار عابد، صوفی مشرب بزرگ تھے، ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، اظہارِ تقدس سے ان کو نفرت تھی، فرماتے ہیں ؎

غلامِ ہمت دُردی کشانِ یک رنگم   نہ آں گروہ کہ ازرق لباس، دل سیہ اند

شاعرانہ زبان میں ان کا پاکیزہ مسلک یہ تھا ؎

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریائے نبود   بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریاست

ترسم کہ صرفۂ نبرد روزِ باز خواست   نانِ حلال شیخ ز آبِ حرام ما

وہ اپنے آپ کو کس قدر چھپائے رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس تلقین سے لگایئے جو وہ خود اپنے دل کو کر رہے ہیں ؎

اے دل طریق مستی از محتسب بیاموز   مست است و در حق او کس ایں گماں ندارد

ان کی تواضع اور فنائیت کے مشرب پر یہ ایک شعر ہزار گواہیوں سے بڑھ کر ہے ؎

در راہِ ما شکستہ دلے می خرند و بس   بازار خود فروشی، ازاں راہ دیگر است

---

[1] نفحات الانس مؤلفہ حضرت جامیؒ [2] راقم الحروف کو اس روایت سے بھی تسلی نہیں، اس لئے کہ اگر یہ بات تھی تو ایسے مرید عارف کا ذکر حضرت خواجہ نقشبندؒ کے احوال کے ضمن میں کہیں تو آتا، واللہ اعلم۔

امراء کی مدح کا الزام | خواجہ صاحبؒ پر لگانے والے یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ وہ امیروں کی تعریفیں لکھ لکھ کر انعام و اکرام حاصل کیا کرتے تھے۔ مولانا شبلیؒ نے اسکی تردید پوری قوت سے کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

" یہ بالکل غلط ہے کہ خواجہ صاحب ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ گئے تھے اور کسبِ معاش کی کچھ فکر نہ کرتے تھے، البتہ فرق یہ ہے کہ ان کے تمام معاصرین بلکہ پیشرو نہایت ذلیل اور کمینہ طریقوں سے کام لیتے تھے، انوری، ظہیر فاریابی، سلمان ساوجی کس پایہ کے لوگ تھے[1] لیکن سب کا یہ حال تھا کہ کسی کی مدح لکھی اور اس نے صلہ کم دیا یا دیر لگا دی تو ہجو شروع کر دیتے تھے، اور یہاں تک نوبت پہنچاتے تھے کہ تہذیب و شائستگی آنکھیں بند کر لیتی تھی، ظہیر وغیرہ کے کلام میں سینکڑوں قطعے اور قصائد ہیں جن میں اس درجہ کا گدایانہ ابرام ہے کہ ان کو دیکھ کر شرم آتی ہے، خواجہ صاحبؒ اس سے بری ہیں، وہ مدح لکھتے ہیں، صلہ ملا تو بہتر ورنہ یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ تقدیر میں نہ تھا۔ کبھی ہلکا سا تقاضا بھی کرتے ہیں۔ لیکن پیرایہ نہایت لطیف ہوتا ہے ـــــ ایک قطعہ میں کس لطف سے کنایہ کیا ہے ؎

دوش در خواب چناں دید خیالم کہ سحر ـــ گذر افتاد بر اصطبل شہم پنہانی
بستہ بر آخور او، استر من جو می خورد ـــ تو برہ افشاند و بمن گفت مرا می دانی؟
ہیچ تعبیر نئے دانمش ایں خواب کہ چیست ـــ تو بہ بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی

یعنی میں نے کل خواب دیکھا کہ میرا گذر شاہی اصطبل خانے کی طرف ہوا، وہاں میرا خچر جو کھا رہا تھا، مجھ کو دیکھ کر اس نے توبڑہ کا رخ میری طرف کر کے جھاڑا اور کہا کہ کیوں مجھے پہچانتے ہو؟ اس خواب کی مجھ کو کچھ تعبیر نہیں معلوم ہوتی، آپ بڑے نکتہ فہم ہیں، آپ ہی بتائیں کہ اسکی کیا تعبیر ہے مطلب یہ کہ گھوڑے کے دانے چارے کا سامان کر دیجئے۔ "[2]

جن اربابِ کرم نے خواجہ صاحب کیساتھ حسنِ سلوک روا رکھا، خواجہ صاحب نے احسان مندی کے اظہار میں نہ تو بخل کیا نہ اسکی پرواہ کی، لوگ ان کے متعلق کیا کہیں گے، وہ طبیعتاً آزاد اور مخلوق سے نظر ہٹائے ہوئے تھے، ان کا حال ان کے ہمرنگ ہندی معاصر کی زبان میں یہ تھا ؎

خلق می گوید کہ خسرو عشقبازی می کند ـــ آرے آرے می کنم با خلقِ عالم کار نیست

چنانچہ عماد بن محمود، حاجی قوام، خواجہ جلال الدین اور نصرت الدین شاہ یحییٰ وغیرہ کی تعریف میں جو

---

[1] یعنی اپنے فنی کمال کے لحاظ سے۔ [2] شعر العجم۔

اشعار خواجہ حافظؒ نے کہے ہیں، اس پر عام لوگ انگشت نمائی کرتے ہیں کہ یہ بھی ظہیر فاریابی وغیرہ کی طرح شاہ پرست اور امراء پرست ہیں، مگر یہ بدگمانی محض اس وجہ سے ہو جاتی ہے۔ کہ تملق اور احسان شناسی کے ڈانڈے بظاہر ملے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کے محرکات بالکل الگ الگ ہیں، ایک خلق و شرافت کے دامن کا داغ ہے اور دوسرا اسکی زینت!

عارف شیراز کی وفات خواجہ صاحبؒ نے ۷۵، اور ۸۰ برس کے درمیان عمر پائی، تاریخ پیدائش معلوم نہیں اس لئے ٹھیک ٹھیک تعین محال ہے۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ وہ ۷۹۳ھ میں اس دنیا سے رحلت فرما گئے[1] رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کی وفات اپنے وطن ہی میں ہوئی۔ جنازہ پر خلقت خدا کا بڑا ہجوم تھا، شہر کے امراء و رؤساء حتیٰ کہ منصور بن مظفر، بادشاہ وقت بھی شریک جنازہ تھا[2] مصلیٰ چونکہ ان کا محبوب مقام تھا، اس لئے خاک مصلیٰ میں ان کو پیوند خاک کر دیا گیا، علامہ شبلی لکھتے ہیں : " سلطان بابر بہادر کے زمانہ میں محمد معمائی نے جو صدارت کی خدمت پر ممتاز تھا، خواجہ صاحبؒ کا مقبرہ بصرف کثیر تیار کر دیا جو اب تک قائم ہے، ان کے نام کی مناسبت سے اس جگہ کا نام حافظیہ ہو گیا ہے۔"[3]

مرقد حافظ پر ستم وقت گذر جانے پر آج عارف شیراز کے مرقد انور پر اہل ہوس نے جو معاملہ کر رکھا ہے۔ وہ مولانا شبلیؒ کی زبانی یہ ہے :

> "ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر ہے، لوگ وہاں زیارت کو جاتے ہیں، وہیں دن بسر کرتے ہیں، کھانے پکاتے ہیں، چائے پیتے ہیں، کہیں کہیں شراب کا دور بھی چلتا ہے، کوئی رنگین مزاج خواجہ صاحب کے نام کا حصہ خاک پر گرا دیتا ہے۔"[4]

افسوس جتنا بھی کیجئے مگر حیرت کی تو کوئی بات نہیں، مدت سے پیر کلیر (علاء الدین صابر چشتیؒ) شہباز قلندر (سندھ) وغیرہ وغیرہ پائے کے اولیاء اللہ کے مزاروں پر سالانہ عرس کے نام سے کیا کچھ ہند و پاکستان میں ہو نہیں رہا ہے۔! اناللہ،

کیا خیام و حافظ ایک ہیں۔؟ اکثر سوانح نگار یہ لکھتے ہیں کہ خواجہ حافظ کا فلسفہ تقریباً یا تمام تر وہی ہے جو خیام کا ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ خیام کے ہاں اجمال ہے اور یہاں تفصیل، اُس کے کلام میں جوش نہیں اور یہاں جوش بھی ہے اور قوت بھی ـــــ لیکن جب ہم ان دونوں کی زندگی اور ان کے دائرۂ فکر و نظر کو دیکھتے ہیں، تو ان سوانح نگاروں سے اختلاف پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ خیام ایک بلند پایہ حکیم اور ماہر فلکیات تو ہے، مگر اسکو

---

[1] [3] [4] شعر العجم [2] حیات حافظ از اسلم جیراجپوری۔

دل کی کائنات اور روحانی عالم کے آسمانوں کا کچھ بھی پتہ نہیں، اسکی رسائی مہ و انجم تک سہی مگر صفات و ذات حق تک ہرگز نہیں، اس کے برعکس حافظ عارف کے متعلق یہ کہیں نہیں ملتا کہ وہ اصطلاحی معنی میں حکیم و فلسفی ہیں یا انہوں نے اپنی توانائیاں فلک پیمائی میں کبھی صرف کی ہیں، وہ تو عاشق قرآن ہیں، عابد شب زندہ دار ہیں، ان کی توجہ دل پر ہے۔ وہ فضائے روحانی کے شہباز ہیں۔ اس عالم کے جو بھید ان پر کھلے، انہوں نے شاعری کے پردہ میں لوگوں کو سنائے دکھائے اور یہ سالکین طریقت پران کا احسان عظیم ہے، البتہ یہ ہوسکتاہے کہ حافظ کی یافت میں، جو انفرادی ذوق نظر اور رنگ طبیعت ہی کے مطابق ہوسکتی ہے۔ بعض باتیں بہ ظاہر ہم رنگ خیام آگئی ہوں یا انکی ظاہری تعبیر سے معنوی یکسانیت کا گمان ہوتا ہو، مگر اسکی وجہ سے دونوں کو ایک سمجھنا انصاف کا خون کرنا ہے۔
کیا متنبی کی بعض حکیمانہ باتیں یا کبیرداس کے چٹکلے ہمارے اہل صدق و صفا کی بعض باتوں سے مل نہیں جاتے۔؟
مگر کوئی اگر یہ کہے متنبی و محی الدین ابن عربیؒ یا کبیرداس اور سعدی شیرازیؒ ایک ہیں تو کیسی بے بصیرتی ہوگی۔
یہی معاملہ خیام و حافظ کا بھی ہے، خیام دماغ ہے اور حافظ دل، زاویۂ خمول میں بیٹھے دونوں ہیں، مگر ایک کی نظر ماہ و انجم پر ہے، اور دوسرے کی نگاہ ذات و صفات الٰہیہ پر ؏

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حکیم الامت کا چیلنج حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے سالک عارف ہونیکا حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے نہ صرف دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ پوری قوت سے اپنے ملفوظات اور مواعظ میں نکتہ شناسوں کو یہ چیلنج دیا ہے کہ اگر حافظ، سالک عارف نہیں تو ان کے کلام میں سلوک و معرفت کے اس قدر دقیق حقائق اور باریک مسائل کا حل کیسے مل جاتا ہے۔؟ اگر یہ محض شاعرانہ ملکہ کا بے شعوری کرشمہ ہے تو شاعر تو سینکڑوں ہیں، کسی غیر عارف شاعر کے کلام سے معارف و حقائق اور سلوک کے ایسے دقائق کوئی نکال دکھائے۔؟

اہل نظر پر شبہ اہل تخمین پر اعتماد! اس چیلنج سے ہٹ کر راقم سطور کو تو آج کی عقل کے اس فیصلہ پر افسوس ہے۔ کہ وہ اہل نظر اور نزدیک سے دیکھنے والوں کی یافت میں تو شک و شبہ رکھتی ہے۔ اور جو حد نظر سے دور رہ کر محض ظن و تخمین سے حکم لگارہے ہیں، ان کی بات کو قابل بھروسہ گردانتی ہے۔ عارف شیراز کی شخصیت آٹھویں صدی سے آج تک بڑے بڑے مشائخ اور صوفیاء کے نزدیک معرفت آگاہ اور حقائق طریقت کی رمزکشا رہی ہے۔ مگر جن کو نہ تو طریقت کی ہوا لگی ہے اور نہ جو حافظ عالی مقام کو قریب سے دیکھ سکے ہیں، وہ اغیار یعنی مستشرقین یورپ کی باتوں میں آکر عرفانی فضاء کے اس شہباز پر ایک بدمست شرابی کا گمان کرنے لگے ہیں۔ یہ خود ان کے ذہن کی گندگی ہے۔ نہ کہ عارف شیراز کے دامن تقدس کی آلودگی، —— اوپر گذر چکا کہ ملا عبدالرحمٰن جامیؒ جیسی ظاہر و باطن اور علم و ذہانت کی جامع شخصیت حافظ شیرازی کو "لسان الغیب" اور "ترجمان الاسرار" کے القاب سے یاد کرتی ہے۔

پروفیسر مولانا عبدالباری ندویؒ کا اظہار | خواجہ حافظ شیرازی کا حال و مقام سب اس لئے مشتبہ ہو گیا کہ ؎

ہر چند ہو مشاہدہ کی گفتگو مگر اُن سے — بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر

نتیجہ یہ ہوا کہ جسطرح بعضوں نے تاریخ دانی کا فرض حضرت منصور کو ملحد و زندیق قرار دے کر ادا کیا، اسی طرح بعضوں نے سخن فہمی کی داد یہ دی کہ عارفِ شیراز کی مستی میں شراب انگور اور شرابِ معرفت کے فرق کو نہ سمجھ سکے، مدت تک راقم بھی کچھ ایسی ہی خوش فہمی میں مبتلا رہا۔ اور بمبئی یونیورسٹی کے دکن کالج و گجرات کالج کے لکچروں میں حضرت خواجہؒ کی روح کے لئے سامانِ اذیت بنا رہا۔ اللّٰھم اغفرلی فانما انا بشر فایما مومن اذیتہ اوشتمتہ فاجعلھا لہ صلوٰۃ وزکوٰۃً تقربہ بھا الیک [۱]

پہلی ہی غزل کے ان اشعار میں عشق و مئے اور پیرِ مغاں سے مجاز، سوا بد مذاق کے، کون مراد لے سکتا ہے؟

الا یا ایھا الساقی ادر کاساً و ناولھا — کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید — کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

پھر غزلیں کی غزلیں ایسے اسرار و معرفت اور مضامین حقیقت سے پُر ہیں جن کو زبردستی بھی مجاز کے معنی نہیں پہنائے جا سکتے۔ مثلاً ؎

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند — واندراں ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند

بیخود از شعشعہ پرتو ذاتم کردند — بادہ از جامِ تجلّیٔ صفاتم دادند

اس طرح اس کے بعد ہی دوسری غزل ؎

دوش دیدم کہ ملائک درِ مے خانہ زدند — گلِ آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند

ساکنانِ حرم ستر و عفافِ ملکوت — با منِ راہ نشین بادۂ مستانہ زدند

دونوں مسلسل بائیس شعر کی غزلیں تمام تر حقیقت و معرفت ہی کے معاملات و مضامین کی ترجمان ہیں ——— غرض دیوانِ حافظ اصل میں "عرفانِ حافظ" ہے۔ [۲]

دیوانِ حافظ کے ساتھ ایرانیوں کی گستاخی | حافظ علیہ الرحمۃ کے نام نہاد ماننے والوں کا یہی ستم کیا کم تھا

---

[۱] ترجمہ: اے اللہ مجھے معاف فرما کہ میں ایک بشر ہی تو ہوں سو جس کسی مسلمان کو میں تکلیف دوں یا اُسے برا بھلا کہوں تو اس سب کو تو اسکے حق میں رحمت اور پاکیزگی کا ذریعہ بنا جس سے تو اسکو اپنا مقرب بنا لے۔

[۲] ملاحظہ ہو "تجدید تصوف و سلوک" مؤلفہ حضرت مولانا عبدالباری ندوی مدظلہٗ ص۴۸۶ تا ص۴۹۲ طبع اول۔

کہ ان کے کلامِ عرفانی سے حظِ روحانی کی بجائے لذتِ نفسانی کا کام لے رہے تھے اور انکی غزلوں پہ جھوم جھوم کر بادۂ انگور کے جام پہ جام چڑھا رہے تھے۔ کہ آج کے فرنگ زدہ ایران نے دیوانِ حافظ کے ایڈیشن پر ایڈیشن جنسی بدمستی کی تصادیر کے ساتھ شائع کردئے ہیں۔ اور ہر شعر کی توجیہہ میں شراب مغنیہ اور چنگ و رباب اور وفورِ شہوت کی عکاسی کا کمال پیش کیا ہے۔ افسوس کہ مصحفِ عشقِ الٰہی، زندیقوں کے ہاتھ میں آکر کس بے حرمتی کا شکار ہے۔

عرفانِ حافظ

اسی بدمذاقی اور جہلِ مرکب کو دیکھ کر عارف تھانوی حکیم الامت مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ نے، جن کی ذات متنوع کمالات کا بیکہ جن کی نگاہ ملتِ محمدیہ کے ایک ایک مرض کی پہچاننے والی اور جن کا قلم ہر مرض کا نسخۂ شافی لکھنے والا تھا، خاص کر فنِ سلوک اور طریقِ عشق کی تو تجدید ہی اس صدی میں جن کے ہاتھ سے ہوئی ہے، انہوں نے اکابر صوفیاء پہ اہلِ ظاہر کے جو اعتراضات تھے۔ ان کے نہ صرف تشفی بخش جوابات دئے بلکہ ان اقوال کے مآخذ پہ مطلع فرما کر ان باتوں کو شریعت کے عین مطابق ثابت کر دکھایا۔ انہی خدمات کے منجملہ کلامِ حافظ کے ایک معتدبہ حصہ کی مستقل شرح بھی تحریر فرما دی تاکہ بقول مولانا عبدالباری ندویؒ ــــــ

"اہلِ ہوس اس کے مئے و معشوق کو اپنے جذباتِ ہوسناکی کی حقیقت کا آئینہ نہ بنائیں اور دوسری طرف مذاقِ سخن سے ناآشنا بعض بظاہر خلافِ شریعت شاعرانہ تعبیرات و عنوانات کی بناء پہ اسکو اپنی رندی و آزادی کی حجت نہ ٹھہرائیں۔"

شارح عارف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس شرح کا نام "عرفانِ حافظ" رکھا اور سچ یہ ہے کہ اس شرح کے بغیر عارفِ شیراز کے اسرار و رموزِ عرفانی تک رسائی اچھے اچھوں کے لئے بھی دشوار ہی ہے۔ دیوانِ حافظ کی شرحوں میں "عرفانِ حافظ" کو وہی انفرادیت و امتیاز حاصل ہے، جو مثنوی معنوی کی شرحوں میں حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی "کلیدِ مثنوی" کو حاصل ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی رائے گرامی | سید الملت علامہ سید سلیمان ندویؒ جنکی دھاک علمی دنیا میں نہ صرف دینی علوم ہی کے اعتبار سے قائم ہے۔ بلکہ وہ فلسفی و متکلم بھی مانے ہوئے ہیں، علامہ ممدوح نے "خیامؒ" تصنیف کر کے اور عمر خیام کے گہرے فلسفیانہ مقالات کو مرتب و مدون کر کے اور اسی روشنی میں "رباعیات خیام"

باقی صہ ۳۲ پہ

ـہ افسوس کہ یہ منفرد تصنیف مدت سے نایاب ہے۔ اور اب اس کے طبع ثانی کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔
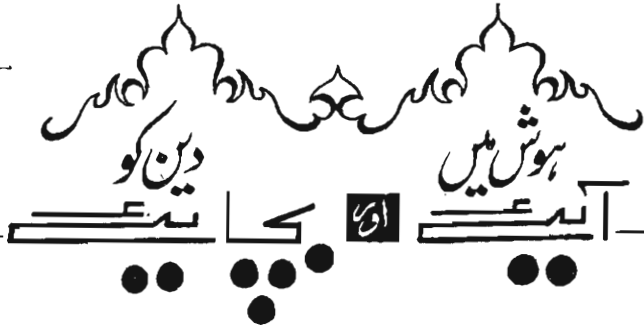
حوادث وظروف پر غور وتعمق کے ساتھ نظر کرنے اور حالات وواقعات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنے کی صنعت سے ہماری قوم محروم ہوچکی ہے۔ سطح بینی ہمارا شعار اور جذبات کی رو میں بہنا ہمارا مزاج بن گیا ہے۔ اس مہلک مرض میں مسلمانوں کے مبتلا ہونے کی ذمہ داری قوم کو قیادت خصوصاً اس کے سیاسی اور نیم سیاسی رہنماؤں پر عائد ہوتی ہے۔ عوام مسلمین میں سے تو اب بھی ایسے لوگوں کی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ جو غور وفکر سے کام لینے کے عادی ہیں اور حالات کی صرف ظاہری شکل کو نہیں دیکھتے بلکہ باطن اور حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں مگر قائدین ملت میں ایسے افراد کا تقریباً نقدان ہوچکا ہے۔

اصحاب فکر ونظر بالکل مفقود تو نہیں مگر ان کی تعداد اس قدر قلیل ہے، کہ انہیں انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ یہ صورت حال تباہ کن اور ہمارے قومی زوال کا بہت اہم اور مؤثر سبب ہے۔ اسکی ہلاکت آفرینی میں اس افسوسناک حالت نے مزید اضافہ کردیا کہ ہماری قوم کا مزاج فکری کی بجائے جذباتی بن گیا ہے۔ اس میں بھی قائدین کی بے راہ روی اور کوتاہ نظری کو بہت دخل ہے۔ اگر وہ ہوش وگوش سے کام لیکر عوام کی فکری تربیت کرتے رہتے اور ان میں صحیح اجتماعی ذہن کو زندہ رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے تو دشمنان دین کی کوشش کے باوجود امت کا مزاج اجتماعی فاسد نہ ہوتا۔ مگر انہوں نے اسکی کوشش کرنے کی بجائے خود عوام کے جذبات سے کھیلنا اپنا طریق کار بنالیا۔ بلکہ ان کے جذبات کی پیروی شروع کردی اور متبوع ومقتدا کی بجائے تابع اور مقتدی بن گئے۔ مسلم قیادت کی عام حالت ایک مدت سے یہی ہے۔ مستثنیات کا انکار نہیں مگر وہ — النادر کالمعدوم کے حکم میں داخل ہیں۔

اسلام پر مخالفین کی یلغار

اس واقعہ سے اختلاف کی جرأت شاید کوئی منافق بھی نہیں کرسکتا کہ دشمنان دین اسلام کو خاکم بدہن

مٹانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، اور ان کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ العیاذ باللہ دین حق دنیا سے ناپید ہو جائے، اس حد تک تو مسئلہ متفق علیہ ہے۔ مگر یہ بات بالکل مبہم ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اسلام کا نام لینے والے گروہ متعدد ہیں جن کے درمیان فروعی نہیں بلکہ ایسے اصولی اور بنیادی اختلافات موجود ہیں کہ اگر ایک گروہ کو مسلمان کہا جائے تو اصولاً دوسرے کو دائرہ اسلام سے خارج اور اس کے ادعائے اسلام کو غلط ماننا پڑے گا۔

فطری طور پر یہ سوال سامنے آتا ہے، کہ مخالفین اسلام کس اسلام کے مخالف اور کیسے مٹانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔؟ کس قدر تشویشناک بات ہے کہ ہمارے یہاں مدعیان حمایت و نصرت اسلام میں اغلب اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ بھی اس وہم اور ناگریز سوال پر غور کرنے کی زحمت نہیں گوارا فرماتے غفلت، حقیقت سے گریز، اور نظر کی سطحیت کی یہ مہلک بیماریاں پاکستان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ الاماشاء اللہ کو مستثنیٰ کر کے پورے عالم اسلامی کی قیادت اس میں مبتلا ہے۔ ان لوگوں کو جب اتنا بھی معلوم نہیں کہ حملہ کا رخ کدھر ہے تو مخالفین کی ان دقیق تدبیروں کو کیا سمجھ سکتے ہیں، جو وہ دین حق کو مٹانے کے لئے کر رہے ہیں؟ اور دوست کے بھیس میں دشمن کو کیا پہچان سکتے ہیں۔؟

پیچیدہ صورت حال

قائدین امت کی اکثریت بلکہ اغلب اکثریت کی یہ سادہ لوحی اور سطح بینی امت کیلئے بہت بڑی آفت اور مصیبت ہے۔ مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ مخالفت دین کی صورت بہت پیچیدہ اور الجھی ہوئی ہے۔ مخالفین اسلام کو باعتبار مزاج، اجتماعی افکار، نوعیت ضلال اور طریق اضلال متعدد خانوں میں رکھا جا سکتا ہے۔ ان خانوں کی تعداد خاصی بڑی ہے۔ پھر ان کی تدبیروں میں بھی تنوع کے ساتھ جدت طرازی اور تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ مخالفین و مخالفت کے ان اقسام و کیفیات پر نظر کیجئے تو اندازہ ہو جائے کہ صورت حال کس قدر پیچیدہ اور کتنی بیدار مغزی کی طالب ہے۔؟

حملہ کا رُخ

اسلام کی حمایت و نصرت کا نعرہ بلند کرنے والے اب تک یہ بھی نہیں سمجھ سکے کہ مخالفین اسلام کے حملوں کا رُخ کدھر ہے۔؟ اور وہ کس اسلام کو العیاذ باللہ مٹانا چاہتے ہیں۔؟ یہ لوگ ایک مبہم "اسلام" کی حمایت و حفاظت کا نعرہ بلند کرتے ہیں جسکا عملی دنیا میں درحقیقت کوئی وجود ہی نہیں۔ اسلام تو اس دین کا نام ہے جسکی

تعلیم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآنِ کریم اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی و رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور جو صحابہ کرامؓ کے ذریعہ تعلیماً و عملاً و نقلاً ہم تک پہنچا۔ مختصر الفاظ میں اسلام درحقیقت دینِ اہلسنت والجماعت کا نام ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے دین کا نام اسلام رکھتا ہے۔ تو یہ اسکی اصطلاح ہے۔ قرآن مبین اور لسانِ خاتم النبیین نے جس دین کا نام اسلام رکھا ہے۔ وہ وہی ہے جس کا تذکرہ ابھی ہم نے کیا ہے۔ اور جسکا دوسرا نام مذہب اہلسنت والجماعت ہے۔ گویا اہلسنت والجماعت فقط اسلام کی تشریح و توضیح ہے۔

حالات و واقعات پر نظر کرنے سے یہ بات بالکل روشن ہوجاتی ہے۔ کہ مخالفینِ اسلام کے حملے کا رخ اسی متعین اسلام کیطرف ہے، نہ کہ کسی مبہم اور مجمل اسلام یا کسی دوسرے ادعائی و اصطلاحی اسلام کیطرف دشمنانِ دین صرف مذہب اہلسنت کے دشمن ہیں اور اسی کو مٹانے کے درپے ہیں۔

طرزِ فکر کی غلطی

اگر آپ صحیح احساس کی نعمت سے بہرہ ور اور اس کے ساتھ حالات سے باخبر ہیں تو اس واقعہ سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ آج دنیا کے کسی خطہ اور ملک میں اہلسنت والجماعت اطمینان و عزت کی زندگی نہیں بسر کر رہے ہیں۔ مصائب کو دفع کرنے اور دشمنانِ دین کی تدبیروں کا توڑ کرنے کے لئے جو تدبیر بھی وہ کرتے ہیں وہ پٹ پڑتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات مصیبت کو زائل کرنے کی بجائے اس میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہے، اس کا سبب درحقیقت یہ ہے کہ ہمارا طرزِ فکر اسلامی نہیں رہا۔ ہم اجتماعی مسائل پر غور و فکر کرنے میں اس ذہن سے کام نہیں لیتے جو دینِ حق نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اور جس سے کام لینے کا حکم ہمیں قرآن و سنت نبی رحیم نے دیا ہے۔ اس وقت اس مسئلے کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔

مختصراً اتنا سن لیجئے کہ قرآن و حدیث نے ہمیں صرف علم ہی نہیں دیا بلکہ سوچنے سمجھنے کا ایک خاص طرز و طریقہ بھی سکھایا ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب و سنت کے دو مطالبے ہیں۔

۱۔ اصل مقصد دین ہے۔ اس لئے ہماری ہر حرکت کا مقصد اسی کا غلبہ اور شیوع ہونا چاہیئے۔ دنیاوی مقاصد کی حیثیت ضمنی اور تبعی ہے۔ اور وہ خود بخود بھی تبعاً حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان کا قصد ہو بھی تو تابع کی حیثیت سے نہ کہ اصل اور مقصود کی حیثیت سے۔

۲۔ ہر مسئلہ پر قرآنِ مجید سنتِ نبوی اور صحابہ کرام کے قول و عمل کی روشنی میں غور کرنا چاہیئے۔ یہ ہے دینی طرزِ فکر اور سنی ذہن جسے اختیار کرنا کلید کامیابی و سربلندی، اور فلاح و سعادتِ دارین کا موجب اور جس کا ترک زوال اور خسارے کا سبب یہی ذہن ہمارا قومی ذہن ہونا چاہیئے۔ ایک مدت دراز سے

قوم اسے کھو چکی ہے اور اس کے انحطاط و زوال کا اصل سبب یہی ہے۔ اور اسی کے فقدان کی وجہ سے ہم اجتماعی واقعات کی حقیقت اور دشمنانِ دین کی مخالفانہ تدبیروں کو سمجھنے اور ان کے ضرر سے محفوظ رہنے سے قاصر رہے ہیں۔

حقیقی خطرے سے بے خبری

امّت کے نگہبانوں کی پہلی غلطی اور بے خبری کا تذکرہ کر چکا ہوں اور عرض کر چکا ہوں کہ وہ مخالفین اسلام کی مخالفت کو کسی مبہم اسلام یا اسلام کے نام کی مخالفت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت وہ صرف حقیقی اسلام یعنی مذہب اہلسنت والجماعت کے مخالف ہیں۔ ہماری قیادت کی یہ غلط فہمی بہت ہی مہلک اور خطرناک ہے۔ یہی کیا کم تھی چہ جائیکہ وہ ایک اور غلطی میں مبتلا ہیں۔ جو اس سے بھی زیادہ خطرناک اور مہلک ہے۔ قرآنِ کریم اور حدیث شریف کے واضح اشارات، تاریخ کی شہادت اور بکثرت مشاہدات کے باوجود اتنک وجہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ دین پر حملہ کدھر سے ہو رہا ہے۔؟ حملہ آور کون ہے۔؟ اور دینِ حق کو مٹانے کی کوشش دراصل کون کر رہا ہے۔؟ پھر یہ کہ دینِ اہلسنت والجماعت کو العیاذ باللہ ختم کرنے کے بعد اس کا جانشین کس مذہب کو بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔؟ اگر وہ خیالستان سے نکل کر اور آنکھیں کھول کر واقعات و حالات کی روشنی میں اس آخری سوال ہی کا جواب تلاش کرتے تو غفلت کا پردہ چاک ہو جاتا اور حقیقتِ حال ان کے سامنے آجاتی۔

آنکھیں کھولئے

جس وقت سے پاکستان وجود میں آیا ہے، اسوقت سے برابر شیعیت پھیلانے 'والعیاذ باللہ' دینِ حق کو مٹانے اور پاکستان پر چھا جانے کی کوشش شیعوں کی طرف سے ہو رہی ہے۔ بلکہ درحقیقت اس کوشش کا منصوبہ اس کے بننے سے پہلے ہی بن گیا تھا۔ مسلمانوں نے سخت غلطی کی جو زمام قیادت شیعوں کے ہاتھ میں دیدی۔ اس غلطی کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اس اہم سیاسی مسئلہ پر "سنی دین" سے غور نہیں کیا۔ اس کے ساتھ تاریخ پر بھی نظر نہ کی، اور قومی تجربات سے غفلت برتی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان کا سنی تصور مسخ کر دیا گیا۔

۔اس مملکت کا وجود میں آنا تھا کہ

شیعوں نے شیعیت کے غلبہ اور اسے شیعہ ملک بنانے کی جدوجہد شروع کر دی —— ماضی کی

طویل داستان بخوف طوالت قلم انداز کر کے موجودہ حالات کی طرف اشارے پر اکتفا کرتا ہوں ۔ جو اس قدر واضح ہیں کہ معمولی فہم کا آدمی بھی انہیں دیکھ کر سمجھ سکتا ہے ۔ کہ شیعہ اپنے مقاصد کے قریب پہنچ چکے ہیں اور دین حق سخت خطرے سے دوچار ہے ۔ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ پاکستان میں شیعہ باعتبار تعداد بہت قلیل ہیں ۔ مگر ہر سرکاری محکمہ میں انکی تعداد انکی آبادی کی نسبت سے بہت زائد ہے ۔ بکثرت کلیدی عہدوں پر قابض ہیں ۔ اور حکومت تقریباً انہیں کے قبضہ میں ہے ، مرکز اور صوبوں کے وزراء کا مذہب معلوم کر لیجئے تو آپکو معلوم ہو جائے کہ شیعہ وزارتوں پر کسطرح چھائے ہوئے ہیں ۔

حقوق اہلسنت غصب کرنے کا عمل ابھی جاری ہے ۔ اور قابل و لائق سنی عہدیداروں اور ملازموں کا مختلف طریقوں سے اخراج کر کے شیعوں سے ان کی جگہ پُر کرنے کا کام بہت تیزی سے ہو رہا ہے ۔ یہ کس جذبہ اور منصوبے کے ماتحت ہو رہا ہے ۔ ؟ اور شیعوں کے عزائم کیا ہیں ؟ اس کا اندازہ کرنے کے لئے ہفت روزہ شیعہ لاہور کے ایک مضمون کے چند ٹکڑے نقل کرتا ہوں ۔ مضمون نگار کوئی سید سرفراز حسین صاحب ریٹائرڈ پی سی ایس ہیں ۔ وہ اخبار شیعہ لاہور مورخہ ۸ اگست ۱۹۷۰ء شمارہ ۲۹ ، ۳۰ میں شیعہ نوجوانوں سے کہتے ہیں :

"چونکہ ہمارے ائمہ اپنے تمام ہمعصروں سے علم میں بڑھے ہوئے تھے [۱] اس واسطے ہمیں بھی اپنے تمام ہمعصروں سے علم میں فوقیت حاصل کرنی چاہیئے ۔"

"سائینس ڈاکٹری ، انجنیئرنگ اور دیگر بیشمار علوم میں شیعہ لڑکوں کو چاہیئے کہ انکے حصول میں نمایاں امتیازی حیثیت حاصل کریں مقابلہ کا امتحان مختلف ملازمتوں کے واسطے دیں اور انہیں اپنے دماغ کی وجہ سے حاصل کریں ۔ گورنمنٹ آپکو اعلیٰ عہدے دینے کیلئے مجبور ہو جائے گی ، پھر دیکھئے کہ آپکے دینیات کا مسئلہ اور جلوس وغیرہ نکالنے کے مسئلے خود بخود حل ہو جائیں گے ۔"

"اس دنیا میں رہنے کے لئے دنیاوی وجاہت ضروری ہے ، مگر اپنی قلیل تعداد کیوجہ سے ایک جمہوری سلطنت میں مشکل ہی سے کوئی وزارت یا اور عہدہ حاصل کر سکتے ہیں ۔ فقط علم کے زور پر ہی آپ فوقیت حاصل کر سکتے ہیں ۔"

---

[۱] یہ دعویٰ بالکل باطل اور لغو ہے ۔ شیعوں کے مزعومہ آئمہ کے معاصرین میں بکثرت حضرات علم میں ان پر فوقیت رکھتے تھے ۔

منقولہ بالا عبارت کو پڑھئے اور اہلسنت خصوصاً ان کے قائدین کی بے حمیتی، غفلت اور بے حسی کا ماتم کیجئے، جسکی وجہ سے آج یہ حالت ہوگئی ہے کہ ملازمتوں میں نالائق و ناقابل شیعوں کو بھی قابل ولائق اہلسنت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ شیعہ لڑکے مضمون نگار مذکور کے مشورۂ مذکورہ پر عمل کریں یا نہ کریں۔ سنیوں کی بے حسی اور غفلت ہی انہیں کامیاب کرنے کیلئے کافی ہے، البتہ مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ جس حد تک شیعہ پاکستان پر چھا چکے ہیں اسی پر بس کرنے کیلئے تیار نہیں، بلکہ ملک کو خالص شیعہ ملک و مملکت بنائے بغیر انہیں چین نہ آئیگا۔ دینیات اور جلوس کا تذکرہ اس چیز کی تصریح ہے۔ کہ اس غلبہ سے مقصد شیعہ مذہب کو پھیلانا اور اسے پورے پاکستان پر مسلط کرنا ہے۔

سنی قائدین و زعماء ملت سے سوال ہے کہ آپکی سمجھ میں اب بھی کچھ آیا یا نہیں۔؟ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ۔؟ پھر اسرائیل کی مثالیں دے کر موصوف اپنی بات کی توضیح کرتے ہیں:۔

"مثلاً امریکہ میں اسرائیلیوں کو دیکھیں اگرچہ عیسائیوں کے مقابلہ میں انکی تعداد کم ہے، مگر انہوں نے اتنے قابل عالم فاضل اشخاص پیدا کئے ہیں، جنہوں نے کئی ایجادیں کی ہیں، اور اپنے علم کیوجہ سے دوسروں پر چھاتے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ امریکہ میں پریزیڈنٹ بننا مشکل ہے۔ جبتک اسرائیلی ان کی مدد پر نہ ہوں، یہی وجہ ہے کہ عرب میں امریکہ ان کی مدد کیلئے مجبور ہے۔"

عبارت کسی شرح کی محتاج نہیں۔ اس سے روشن ہے کہ شیعہ پاکستان کی سیاست پر کسی طرح حاوی ہونا چاہتے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ تقریباً پورے طور پر حاوی ہو چکے ہیں۔ اور جو کسر باقی رہ گئی ہے، وہ پوری کرنے کیلئے پوری کوشش کر رہے ہیں۔

اسرائیل ان کیلئے صرف نمونہ نہیں ہے، بلکہ ان کا معاون و مددگار بھی ہے۔ اور ان کا منصوبہ اسرائیلی منصوبہ کا جزء ہے۔ چند سطروں کے بعد انشاء اللہ اسکی وضاحت کروں گا۔ پہلے مضمون نگار موصوف کی تمثیل مذکور کی تکمیل ملاحظہ فرمالیجئے بسلسلہ تذکرہ اسرائیل منقولہ بالا سطور کے بعد لکھتے ہیں:۔

"اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ تجارت بھی ان کے ہاتھ میں ہے، آپ بھی دیانتدارانہ کاروبار اختیار کریں شروع میں تو تکلیف ہوگی، مگر بالآخر آپکی ساکھ بندھ جائے گی اور آپ ایک صحیح اسلامی نمونہ پیش کر سکیں گے، اور یہی ہماری فوقیت کا باعث ہوگا۔"

ملاحظہ فرمایا آپ نے! اہلسنت پر فوقیت حاصل کرنے کا جذبہ کتنا شدید ہے کہ صرف سیاسی فوقیت پر اکتفا کرنے کیلئے تیار نہیں بلکہ ملکی معاشیات پر بھی پورا پورا قبضہ جمانا چاہتے ہیں، واضح رہے کہ مضمون مذکور

یا اسطرح دوسرے مضامین جو شیعوں کی طرف سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ شیعوں کے سمند آز کے لئے صرف مہمیز کی حیثیت رکھتے ہیں، ورنہ پاکستان پر شیعیت مسلط کرنے کا سلسلہ تو اسی وقت سے جاری ہے۔ جب سے پاکستان وجود میں آیا۔

اس سلسلہ میں مشرقی پاکستان کا وجود سنگ گراں تھا اسی منصوبہ کے ماتحت اسے الگ کرکے راستہ صاف کیا گیا۔ اس کے بعد سے کوشش کی رفتار اور بھی تیز ہوگئی۔ اور اب شیعوں کو اپنی منزل مقصود قریب نظر آرہی ہے۔ آثار منزل اس قدر واضح ہیں کہ اندھا بھی دیکھ سکتا ہے۔ مگر ہمارے سنی قائدین و علماء نے تصور اتحاد بین المسلمین کی افیون اتنی زیادہ مقدار میں کھائی ہے کہ اس کے نشہ کیوجہ سے انہیں وہ نشانات نظر نہیں آتے۔ سیاست و نظم مملکت پر شیعوں کے تسلط کا تذکرہ گذشتہ سطروں میں کر چکا ہوں وہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جسے ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ داخلی و خارجی سیاست پر شیعی چھاپ کو دیکھنے کیلئے تو معمولی غور و فکر کی بھی ضرورت ہے۔ مگر سرکاری ملازمتوں میں شیعوں کا غلبہ تو مشاہدہ ہے جس کے لئے ادنیٰ تامل کی بھی ضرورت نہیں۔

شیعیت مسلط کرنے کی کوشش

اپنی اس پوزیشن سے شیعہ پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور حکومت کی قوتوں کو شیعیت کے تسلط اور مسلک اہلسنت کو نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ جو سنی سرکاری محکموں میں موجود ہیں وہ عموماً بے حمیت یا دین سے غافل ہیں۔ انہیں صرف اپنی ملازمت کی فکر ہے۔ دین کی کوئی قدر اور فکر انہیں نہیں۔ اسکی ایک بڑی وجہ دین سے ناواقفیت ہے۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ سنیت اور شیعیت میں کیا فرق ہے۔ ؟ نہ وہ صحیح معنیٰ میں اسلام سے واقف ہیں وہ مسلمان کے گھر پیدا ہوگئے، اس لئے مسلمان ہیں۔ اور سنی خاندان میں ہونے کیوجہ سے سنی ہیں وہ یقیناً مسلمان ہیں، اور زمرۂ اہلسنت میں داخل مگر سنی ذہن یعنی دینی طرز فکر سے محروم ہیں اس لئے وہ نہ تو شیعوں کی تخریبی چالوں کو سمجھ سکتے ہیں نہ ان کا توڑ کر سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک آدھ جو حساس اور دینی شعور رکھتے ہیں وہ ہر وقت زوال کے خطرے میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ شیعہ ملازمین حکومت ملک میں غلبہ شیعیت اور تخریب سنیت کیلئے کیا کاروائیاں کر رہے ہیں ؟ اسکی تفصیل موجب طوالت ہے۔ جن لوگوں کو ان سے یا ان کے متعلقہ محکمہ سے سابقہ پڑتا ہے۔ وہ اس سے خوب واقف ہیں۔ یہاں بطور نمونہ ابلاغ عامہ کے محکمہ کو پیش کرتا ہوں جو اس نقطۂ نظر سے بہت اہم اور مؤثر ادارہ ہے۔ اور جس کی شیعیت نوازی کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے بلکہ کرتا ہے۔

ریڈیو اور ٹی وی ابلاغ عامہ کے اہم ذرائع ہیں اور ان پر شیعوں کا پورا پورا تسلط ہے اور معمولی ذہن و فکر

کا آدمی بھی محسوس کرتا ہے۔ کہ ان دونوں ذرائع کو شیعیت کی تبلیغ و اشاعت کیلئے پورے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔
بہت ہوشیاری کیساتھ شیعی افکار کو دوسرے افکار میں آمیز کرکے اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ ناواقف سنّی اس سے متاثر ہوجائیں، اور اس سے واقف سنیوں کیلئے بھی اسکی گرفت دشوار ہو۔ اور اگر گرفت بھی کی جائے تو اسکی قباحت کم سمجھ اور دین سے ناواقف سنیوں کے ذہن نشین کردینا مشکل ہو۔ ابلاغ عامہ کے ذرائع میں اخبارات کی اہمیت مخفی نہیں۔ ان اخبارات کا تذکرہ نہیں جو شیعوں کے ہاتھ میں ہیں وہ تو دھڑلے کیساتھ شیعیت کی اشاعت کررہے ہیں، اور بیباکی کیساتھ ایسے مضامین بھی شائع کرتے رہتے ہیں، جو اہلسنت کیلئے سخت دلآزار ہوتے ہیں۔ ذکر ان اخبارات کا ہے جو مکمل طور پر اہلسنت کے قبضے اور ملکیت میں ہیں۔ ان پر شیعوں کا ایسا کنٹرول ہے کہ کیا مجال جو کوئی مضمون ان کی مرضی کے خلاف شائع کرسکیں، یہی نہیں بلکہ ان سنّی اخبارات میں شیعوں کے مذہبی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اور مضمون نگار کی شیعیت کیطرف اشارہ تک نہیں ہوتا۔ یہ مضامین بڑے زہریلے ہوتے ہیں۔ مگر زہر کیپسول میں بند کرکے دیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تقیہ کا رنگ گہرا کرنے کے لئے بعض صحابہ کرامؓ کیلئے مدح و ستائش کے کلمات بھی لکھ دیئے جاتے ہیں۔ اسطرح یہ سلو پوائزن ناواقف اہلسنت کے حلق سے اتر جاتا ہے۔ اور اگر تریاق میسّر نہ ہو تو ایک مدّت کے بعد اسے شیعیّت تک پہنچا سکتا ہے۔ کتابوں، کتابچوں، تقریروں، ماتمی جلسوں اور جلوسوں وغیرہ ابلاغ عامہ کے سب ذرائع اور طریقے شیعہ مذہب کی اشاعت اور مذہب اہلسنت کو مٹانے کے لئے استعمال کئے جارہے ہیں، اگر دیدۂ بینا ہو تو آدمی خود دیکھ سکتا ہے۔ بیان و تفصیل کی حاجت نہیں۔

نصاب دینیات

ہماری غفلت و بےحسی سے فائدہ اٹھاکر شیعوں نے سرکاری تعلیم گاہوں میں اپنی مذہبی تعلیم کا اجراء منظور کروالیا۔ حالانکہ یہ چیز بالکل اصولی جمہوریت کے خلاف اور عدل و انصاف سے بعید ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اہل سنّت کیلئے جو نصاب تجویز ہوا ہے اسے تجویز کرنے میں بھی شیعہ شریک ہیں۔ حالانکہ سنّی نصاب مقرّر کرنے والی کمیٹی میں شیعوں کا کیا کام۔؟ اور انہیں کیا حق ہے کہ وہ ہمارے کسی دینی معاملے میں دخل دیں۔؟ سنّی طلبہ کیلئے جو نصاب مقرّر کیا گیا ہے، اس پر مفصّل تنقید کرچکا ہوں، وہ شیعیت نہیں پیدا کرتا تو سنیت بھی نہیں پیدا کرتا۔ بلکہ ذہن کو شیعیّت قبول کرنے کیلئے تیار کردیتا ہے۔ اس میں قدرے ترمیم کی گئی ہے جس پر بعض حضرات بہت خوش ہیں، اور اسے اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں۔ لیکن یہ محض خوش فہمی بلکہ خود فریبی ہے ـــــ نصاب کا مزاج اب بھی نہیں بدلا۔ دوسرے یہ کہ کچھ دنوں کے بعد اس ترمیم کو بھی

کالعدم کر دینے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ نصاب کمیٹی کے ارکان میں شیعہ بدستور موجود ہیں۔ یہ سخت قابلِ اعتراض اور خلاف انصاف بات ہے۔ شیعوں کے نصاب دینیات میں ان کا خود ساختہ کلمہ بھی موجود ہے، جو اہلسنت کیلئے دلآزار اور تکلیف دہ ہے۔ اسے نصاب میں داخل کرنا اہلسنت کی حق تلفی اور ان پر ظلم ہے، اگر بقول شیعہ حضرت علیؓ کی ولایت و وصایت جزو ایمان ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ لوگ اہلسنت کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں جو وضاحت کی گئی ہے، وہ محض فریب ہے۔ اور جو سنی بھائی اس سے مطمئن ہو کر اسے اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں وہ خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ شیعوں نے صرف یہ کہا ہے، کہ کلمہ طیبہ "پڑھ کر" کافر مسلمان ہوتا ہے۔" مگر یہ نہیں کہا کہ "مومن" ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک مسلم اور مؤمن میں فرق ہے، اور ایک شخص بیک وقت مسلمان اور کافر دونوں ہو سکتا ہے۔ پھر اگر مؤمن ہونے کے لئے حقیقی کلمہ کافی ہے تو ان کے مصنوعی کلمہ کی ضرورت بلکہ اس کے لئے وجہ جواز کیا باقی رہ جاتی ہے۔؟

ہمارا افتراق

اس وقت جبکہ مخالفین اسلام کا نرغہ ہے۔ اور اسلام یعنی مذہب اہلسنت کو مٹانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ہماری باہمی نااتفاقی اور جنگ و جدل بہت افسوسناک اور خطرناک ہے۔ آج شیعیت کی یلغار کے ساتھ ساتھ لامذہبیت، تجدد، تحریف دین، مرزائیت، وغیرہ بہت سے فتنے سر اٹھا رہے ہیں۔ مگر ہمارا حال یہ ہے کہ کہیں اہل حدیث و احناف باہم دست و گریباں ہیں اور کہیں بریلوی و دیوبندی "تو تو میں میں" میں مبتلا۔ یہ حالت یقیناً بہت خطرناک ہے۔ جن حضرات کے دل میں دین کا درد ہے، وہ اس کیفیت کو دیکھ کر بے چین ہو رہے ہیں، اور دل سوزی کے ساتھ اس افتراق و جدال کو روکنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ مگر ان کی کوشش مخلصانہ ہونے کے باوجود غور و فکر کی قوت سے محروم ہے۔ دلسوزی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس افتراق پر گہری نظر ڈال کر اس کے حقیقی سبب کو دریافت کرتے اس کے بعد اسے زائل کرنے کی تدبیر سوچتے، مگر وہ واقعات کو سطحی انداز سے دیکھتے ہیں، اور حقیقی سبب کو نظر انداز کر کے اس کے سائے کے پیچھے دوڑتے ہیں، ایک کلیدی سوال یہ ہے کہ مختلف فیہ مسائل کا وجود تو مدت دراز سے ہے۔ آخر اس اختلاف کا جوش آج ہی کیوں پیدا ہوا۔؟ بعض بریلوی حضرات نے جو یکایک حضرات اکابر دیوبند کے خلاف الزام تراشی، اور بہتان طرازی شروع کر دی۔ اس کا جدید محرک کیا ہے۔؟ ان کی باسی کڑھی میں یکایک کیوں ابال آیا؟ چولہے میں آگ کس نے سلگائی۔؟ جسکی وجہ سے یہ ابال آیا۔

اگر فہم و بصیرت کا ایک ذرہ بھی موجود ہے۔ تو صاف نظر آئیگا کہ افتراق کی ڈور یاں شیعوں کے ہاتھ

میں ہیں، اور یہ سب سبائی ذہانت کے کرشمے ہیں، اہلسنت کے درمیان افتراق اور جنگ وجدال کا بیج انہوں نے ڈالا اور اب اس شجرہ خبیثہ کی پرورش اور آبیاری پوری دریادلی کے ساتھ کر رہے ہیں، البتہ یہ سب پردے کے پیچھے رہ کر ہوتا ہے۔ پردے کے باہر آکر اتحاد بین المسلمین کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ یہ سبائیوں کی قدیم تدبیر ہے۔ وہ ہمیشہ اسی چال سے کام لیکر اہلسنت کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ جن لوگوں کی سنہری روپہلی مصلحتیں اس افتراق سے وابستہ ہیں، وہ ہماری اپیلوں پر کیسے کان دھر سکتے ہیں۔؟ اور جنگ و جدل سے کیسے باز آسکتے ہیں۔؟ سبائی مقاصد کو پورا کرنا انکی روزی کا ذریعہ ہے۔ وہ اسے کس طرح خیر باد کہدیں؟ اہلسنت کے اس باہمی افتراق کا علاج اتحاد کی اپیل نہیں بلکہ اس کا علاج عوام کو صحیح خطرے سے آگاہ کرنا، اور ان میں دینی شعور پیدا کرنا ہے جسکی تفصیل انشاءاللہ آگے چل کر پیش کی جائے گی۔

امریکہ و روس کا منصوبہ

اسرائیلی منصوبہ کی طرف اشارہ کر چکا ہوں اسکی تفصیل یہ ہے کہ مملکت اسرائیل میں تو صرف یہود حکمران ہیں اور وہ خالصتہً یہودی مملکت ہے۔ مگر امریکہ اور روس میں بھی یہود کی خاصی تعداد آباد ہے۔ وہ اگرچہ باعتبار تعداد تو دونوں جگہ بہت اقلیت میں ہیں مگر اپنی چالبازیوں اور تدبیروں سے دونوں ملکوں کے نظم ونسق اور انکی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں، اور صرف امریکہ و روس ہی نہیں بلکہ پورے یورپ کی سیاست بھی یہود کے ہاتھ میں ہے۔

اسلام کو العیاذ باللہ مٹانے اور اسلامی دنیا پر غلبہ و تسلط حاصل کرنے کیلئے انہوں نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ دنیائے اسلام پر شیعوں کو مسلط کر دیا جائے اور ان کے توسط سے اس پر اقتدار حاصل کیا جائے۔ اس کا تازہ اور بہت واضح نمونہ مقتل لبنان ہے۔ جہاں شامی شیعوں اور خود لبنانی شیعوں نے یہود اور مسیحیوں سے مل کر فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اور ان پر وہ مظالم ڈھائے جنہیں سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہماری بے خبر قوم کو شاید اسکی بھی خبر نہ ہو کہ شام پر شیعہ مسلط ہو چکے ہیں۔ اور اس کا درندہ صفت صدر حافظ الاسد پکا شیعہ ہے۔ یہود کا منصوبہ یہ ہے کہ شام میں لبنان کا شیعی آبادی والا حصہ ملا کر ایک وسیع تر شیعی سلطنت قائم کی جائے، دوسری طرف شوکت کیانی کو بھی دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ رفتہ رفتہ دونو منصوبے تکمیل کو پہنچ رہے ہیں۔ شام پر شیعی تسلط اسی پر فریب نعرۂ اتحاد کا تلخ اور مہلک نتیجہ ہے۔ اسی جادو سے پاکستان سے اہل سنت کو مسخر کیا جا رہا ہے۔ مگر ہماری قوم کی بدنصیبی ہے کہ اسکی قیادت خود فریبی اور حقائق سے چشم پوشی کی عادی ہے۔ اسی لبنان کے المیہ کے بارے میں ایک اخبار کے مدیر نے اس واقعہ ہائلہ کو کمیونسٹوں کے سر تھوپ کر

شیعوں کی طرف سے توجہ ہٹانے کی گمراہ کن کوشش کی ہے۔ حالانکہ حافظ الاسد کا رافضی ہونا تو بدیہی اور تسلیم شدہ واقعہ ہے، البتہ کمیونسٹ ہونا مدیر موصوف کا دعویٰ ہے جس کا ثبوت وہ قیامت تک نہیں پیش کر سکتے۔

روس کے زیر اثر ہونا کمیونسٹ ہونے کے مترادف نہیں، افغانستان بھی روس کے زیر اثر ہے، مگر اسے کمیونسٹ ملک کوئی نہیں کہہ سکتا پھر یہ کہ کمیونسٹ ہونے اور شیعہ ہونے میں کوئی تعارض و تضاد بھی نہیں۔ جوش ملیح آبادی کمیونسٹ بھی ہے۔ اور بہت غالی شیعہ بھی۔ درحقیقت شیعیت کے تسلط کا خطرہ صرف پاکستان نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام کیلئے سب سے بڑا خطرہ اور سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ پاکستان میں سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کی قیادت شیعوں کے ہاتھ میں ہے۔ جنہوں نے مصلحتاً بطور تقیہ سوشلزم اور کیمونزم کا لبادہ پہن لیا ہے۔ مقصد وہی شیعی اقتدار اور شیعیت کو پاکستان پر مسلط کر کے اسے شیعہ ملک بنانا اور دین حق کو مٹانا ہے۔ خود فریبی کی یہ مثال تنہا نہیں۔ ہمارے قائدین کا یہ مرض مزمن ہو چکا ہے۔ اور یہ عادت طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔ انکی اسی عادت کی وجہ سے ہمارے تصوّر کا پاکستان نہ بن سکا مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں شیعی سازش اتنی نمایاں تھی کہ اندھا بھی ٹٹول کر معلوم کر سکتا تھا۔ مگر ہمارے قائدین کو اس میں مرزائی تو نظر آگئے لیکن شیعہ نہ دکھائی دیئے۔

مرزائی یقیناً اس میں شریک تھے مگر شیعوں کے تابع تھے۔ اصل منصوبہ شیعوں ہی کا تھا، اور انہی نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ مرزائیوں کی تکفیر کی تحریک اٹھی ان میں دو چار شیعہ بطور تقیہ اپنے گروہ کی مصلحتوں کے پیش نظر ہمارے ساتھ ہو گئے تھے، وہ تو ان حضرات کو دکھائی دیئے، مگر ان چالیس شیعوں کو انہوں نے بالکل نظر انداز کر دیا جنہوں نے اسی زمانہ میں مرزائیوں کی حمایت میں بیان دیا تھا، ان میں علماء و اکابر شیعہ شامل تھے۔ اور ان کا یہ بیان ریڈیو سے بھی نشر ہوا تھا، اس طرح اہل سنّت کو بیوقوف بنا کر اپنا نصاب منظور کرا لیا۔ اور مرزائیوں سے بھی دوستی قائم رہی۔

سائے پر حملہ

جو مسلمان دین کی فہم اور اسکی محبت رکھتا ہے، وہ سوشلزم و کمیونزم کے باطل اور سراپا فریب و ضلال نظریات سے یقیناً نفرت کرے گا۔ ہماری مجرمانہ غفلت اور عاصیانہ طرز عمل کی وجہ سے پاکستان میں بھی دونوں گمراہ کن نظریات کے داعی اور مبلغ موجود ہیں۔ یہی نہیں بلکہ سوشلزم پر عمل درآمد بھی شروع ہو چکا ہے۔ اور بہت سے کاروبار نیشنلائز کئے جا چکے ہیں۔ جو باقی ہیں انہیں بھی حکومت کے قبضے میں لینے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ بلکہ اس کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مدارس عربیہ دینیہ، مذہبی مکاتب

اور مساجد کو بھی نیشنلائز کر کے حکومت کے کنٹرول میں لانے کا بھی آغاز کر دیا گیا ہے۔ بعض دینی عربی مدارس اور مساجد پر تو قبضہ بھی کیا جا چکا ہے۔ مگر مقبوضہ مساجد، مدارس، اور مکاتب کی پوری فہرست دیکھ جائیے اس میں شیعوں کی کسی مسجد یا ان کے کسی مدرسہ یا مکتب کا نام نظر نہ آئے گا۔ آخر اسکی کیا وجہ۔؟

ہمارے قائدین ملت کو اس پر غور کرنے کی نہ حاجت محسوس ہوتی ہے نہ فرصت ملتی ہے، ان کا پورا زور بیان کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کی مذمت میں صرف ہو جاتا ہے۔ مگر ان گروہوں کی نقاب الٹ کر ان کی اصل صورت دیکھنے کی کوشش بھی نہیں فرماتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سائے پر حملہ آور ہیں۔ اس شئے کو نہیں دیکھتے جسکا یہ سایہ ہے۔ شیعوں کے پیش نظر یہ مقصد بھی ہے کہ سنی سائے کی طرف متوجہ رہیں۔ اور شیعوں کی طرف توجہ نہ کریں۔ تاکہ انکی غفلت سے فائدہ اٹھا کر شیعہ اور شیعیت ملک پر مسلط ہو جائے، اس مقصد کو حاصل کرنے کا کام اور ان کی تقلید کرنے والوں کے سپرد ہے۔ جو سوشلزم اور کمیونزم کی یلغار کو حقیقت سے کئی گنا زائد دکھا کر شیعہ سنی مسئلہ کیطرف سے اہل سنت کی توجہ ہٹانا چاہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہیں مدیر صاحب نے جسکا تذکرہ اوپر گذرا جس کتاب سے الحاد و زندقہ کے نمونے نقل کئے ہیں اسکی اشاعت کو تقریباً بیس سال گذر چکے ہیں۔ اس کے جوابات بھی شائع ہو چکے، اور اس کے اثرات بھی تقریباً مردہ ہو چکے۔ مگر موصوف نے اس طرح اس کا تعارف کرایا ہے۔ کہ گویا وہ زندقہ کی کسی تازہ لہر کا انکشاف کر رہے ہوں۔ کیا یہ مغالطہ دہی نہیں۔

سوشلزم اور کمیونزم کا اصل مقصد

سوشلزم اور کمیونزم دونوں کا وجود یہودی ذہن کا رہین منت ہے۔ اس قوم کا ذہن تخریبی ہے، اور مزاج مفسد، ان کے تعمیری کاموں میں بھی تخریب کا عنصر پوشیدہ ہوتا ہے۔ ان دونو نظریوں کے پیش کرنے والوں کے پیش نظر دراصل دو مقصد تھے۔

اول مذہبی رجحانات و جذبات کو تباہ کر کے مسیحیوں کے دل سے یہود کے خلاف نفرت و عداوت کو زائل کر دینا۔ واقعہ یہ ہے کہ مسیحی یہود سے بجا طور پر سخت عداوت رکھتے تھے، اور ان کے ساتھ بہت تذلیل و تحقیر کا برتاؤ کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ انہیں جانی و مالی نقصانات بھی پہنچاتے رہتے تھے۔ یہ صورت حال صدیوں تک قائم رہی۔ اسے ختم کرنے کیلئے مارکس وغیرہ یہودی مفکروں نے یہ دونو نظریات پیش کئے۔ تاکہ مسیحی معاشیات میں مشغول ہو کر مذہبی جذبات و تعصبات کو خیر باد کہہ دیں۔ اور ہمارے ساتھ گھل مل جائیں۔ اور قوم یہود ان کے مظالم سے نجات پا جائے۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ یہود باوجود اقلیت دنیا کی سیاست اور

معاش پر حاوی ہو جائیں، اور دنیا کی دولت کھینچ کر ان کی قوم کے ہاتھوں میں آجائے ـــــ ان دونوں مقصدوں میں وہ کامیاب ہوئے۔

اس کے ساتھ یہ ملحوظ رکھئے کہ ان دونوں نظریوں کی دعوت مردہ ہو چکی ہے۔ تجربہ نے انکی قلعی اتار دی، اور ان کا کھوٹا ہونا واضح کر دیا۔ ان کی ناکامی تو روشن ہو گئی مگر ان کا نام بد ابھی تک روشن ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر یہود اسے دوسرے ممالک میں فتنہ و فساد پیدا کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ درحقیقت اب دونو باطل نظریوں کا مصرف یہی باقی رہ گیا ہے۔ یعنی فساد انگیزی اور فتنہ پردازی ان نعروں سے کام لے کر یہ لوگ ملک میں کسی ایسی جماعت کو برسر اقتدار کر دیتے ہیں جو ان کے اشاروں پر حرکت کرتی ہے، اور اس کے واسطے سے اس ملک کی سیاست و معیشت ان کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔

امریکہ اور روس دونو یہود کے مضبوط گڑھ ہیں، یہ تو سب جانتے ہیں کہ دونو ملکوں کے سیاسی و معاشی نظام الگ الگ اور باہم متضاد ہیں، لیکن یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ سرمایہ دار ملک ہونے کے وجود امریکہ بھی دوسرے ملکوں میں فتنہ و فساد پیدا کرنے کے لئے سوشلزم اور کمیونزم کی تحریک چلاتا ہے۔ اور اس طریقہ سے وہاں اپنی مرضی کے مطابق حکومت قائم کر کے اپنے مقاصد حاصل کرتا ہے۔

پاکستان میں یہ تحریکیں امریکہ ہی کی سرپرستی میں چل رہی ہیں۔ خیر ہمیں اس وقت اس بحث کی ضرورت بھی نہیں کہ یہاں ان تحریکوں کی درآمد کہاں سے ہوئی۔ ہ کہنے کی بات یہ ہے کہ ان کا مقصد پاکستان میں شیعوں کا اقتدار قائم کر کے ان کے ذریعہ سے اپنے مقاصد حاصل کرنا ہے۔ جن میں سے ایک بہت بڑا اور اہم مقصد دین حق یعنی ملت اہل سنت والجماعت کو تباہ کرنا ہے۔ سیل بلا کا منبع ماسکو ہو یا نیویارک اس پر کنٹرول یہود ہی کا ہے، اور انہیں کا ذہن اس کے پیچھے کارفرما ہے۔ یہاں ان کے قائم مقام سبائی ہیں جن کے ہاتھوں میں تحریک کی باگ ہے۔ جو لوگ سوشلزم اور کمیونزم کی مخالفت کرتے ہیں۔ مگر سبائیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ درحقیقت سائے سے جنگ کر رہے ہیں اور اصل سے غافل ہیں۔ اس کا ایک بدیہی ثبوت یہ ہے کہ کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کے رسائل و اخبارات میں صحابہ کرامؓ پر تنقید اور انکی تنقیص بکثرت ملے گی۔ لیکن محرم کے شیعی مراسم پر تنقید یا ان کی تضحیک کبھی نہ ملے گی۔ حالانکہ یہ مراسم عقل و دانش اور اصول اخلاق کے بھی خلاف ہیں اور فساد انگیز بھی۔ علیٰ ہذا کمیونسٹوں کے ملحدانہ نقطۂ نظر سے حضرت علیؓ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی بعض باتیں بھی اسی طرح قابل اعتراض ہیں جسطرح بعض دوسرے صحابہ کرامؓ کی۔ مگر آپ کو ان کے رسائل و اخبارات میں ان حضرات پر کہیں بھی تنقید نظر نہ آئے گی۔ کیا یہ اسکی علامت نہیں کہ کمیونزم کے پردے میں شیعی ذہن کام کر رہا ہے۔ ؟

سندھی، مہاجر، تعصبات کا زہر اگلنے والے اور اس پردے میں الحاد و زندقہ کی اشاعت کرنے والے بھی یہی شیعہ ہیں یا شیعوں کی پشت پناہی انہیں حاصل ہے۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے نفرت اس لئے پھیلائی جارہی ہے کہ وہ خلافت مبارکہ بنی امیہ کے مقرر کردہ سپہ سالار تھے۔

مختصر یہ کہ ان سب تخریبی تحریکوں اور فتنوں کو چلانے والا ذہن سبائی ذہن ہے جسکا مقصد اہلسنت میں گمراہی اور خلفشار پھیلانا، ان کے درمیان افتراق پیدا کرنا، اور شیعہ سنی مسئلہ کیطرف سے اہل سنت کی توجہ ہٹانا ہے۔ تاکہ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اقتدار پر قبضہ کیا جائے — ایک ہفتہ وار کے جن مدیر صاحب کا اوپر تذکرہ ہوا وہ ان چیزوں کو بھی کیمونسٹوں کے سر تھوپ کر اس طرح مطمئن ہوگئے۔ گویا انہوں نے کوئی بہت اہم انکشاف کیا ہو۔ حالانکہ درحقیقت وہ خود فریبی کا شکار ہوئے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی اس میں مبتلا کر رہے ہیں — سوشلزم کی جو عملی شکلیں ہمارے ملک میں ظاہر ہو رہی ہیں ان پر غائر نظر ڈالیئے تو نیشنلائزیشن، شیعائزیشن کے مترادف معلوم ہوگا۔ اور تو اور ہمارے اوقاف بھی انہی کے قبضہ میں ہیں۔ اسی کا ایک شعبہ مساجد و مدارس دینیہ پر قبضہ ہے۔ دیکھنے کی بات ہے۔ کہ ابتک جتنے مدارس دینیہ و مساجد کو سرکاری تحویل میں لیا گیا ہے۔ وہ سب اہلسنت کے ہیں۔ کسی شیعہ مسجد یا مدرسہ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔ ان کے علاوہ اس وقت شیعوں کیطرف سے اہل سنت پر جو زیادتیاں ہو رہی ہیں وہ بہت ہی تشویشناک ہیں۔ جگہ جگہ فساد انگیزی کر کے سنیوں کو جانی و مالی نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ حکومت پر تسلط کی وجہ سے پولیس بھی شیعوں کا ساتھ دیتی ہے۔ اور ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کرتی۔ بلکہ اُلٹا سنیوں ہی کے خلاف کیس بنا دیتی ہے۔ بکثرت مقامات پر یہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ اخبارات پر سنسر ہے، اس لیئے ان میں یہ خبریں نہیں آتیں۔

اہل سنّت کا فرض

دین حق کی حفاظت ہر سنّی کا فرض ہے، شیعہ سنی اتحاد کے ہم بھی حامی ہیں۔ مگر اتحاد کے معنی یہ نہیں کہ ہم اپنے دین کا نقصان اور العیاذ باللہ اس کا خاتمہ گوارا کر لیں۔ یا ہم اپنے حقوق سے دستبردار ہو جائیں، یا پاکستان کو شیعہ ملک و مملکت بنانا گوارا کر لیں۔ اہل سنت نے اپنی لاکھوں جانوں اور اپنے مال کی قربانی دیکر پاکستان اس لئے نہیں بنایا تھا کہ اسے شیعوں کے سپرد کر دیں گے، اور خود ان کی محکومی میں بسر کریں گے۔

الحمدللہ سنّی عوام میں بیداری کے آثار نمایاں ہیں، اب اتحاد کے فریب میں انہیں نہیں مبتلا کیا جا سکتا۔ الحمدللہ کہ بیداری اس حد تک پہنچ چکی ہے۔ کہ ایران کے ایک شیعہ مولوی صاحب اسکی اطلاع پا کر بے چین

ہو گئے اور انہوں نے

ذریعہ تار اہلسنت کی بیداری پر اپنے کرب و اضطراب سے مطلع کیا۔ نے

جواب میں انہیں یہ اطلاع دیکر تسکین دی کہ ابھی اتحاد بین المسلمین کے پرانے سبائی جادو کو جگانے اور کام میں لانے والے ان کے علاوہ اور بھی موجود ہیں۔ اور ہم اہلسنت کو بیوقوف بنا کر خود کشی پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ انشاءاللہ شیعوں کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ اور انشاءاللہ دین حق یعنی مذہب اہلسنت غالب ہو کر رہے گا۔ پاکستان خالص سنی مملکت بنے گا۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ شیعہ سنی مسئلہ کو جو ایک ناقابل انکار اور بدیہی حقیقت ہے۔ ہر سنی تک پہنچایا جائے۔ اور اسکی اس قدر اشاعت کی جائے کہ کوئی سنی اس سے بے خبر نہ رہے۔ مسئلہ موضوع مجالس بن جائے۔ اور ہر گلی کوچہ میں اس کا تذکرہ ہو۔ تاکہ ہر سنی سمجھ جائے کہ شیعوں یا شیعہ نوازوں کو اپنا نمائندہ یا اپنے اوپر حاکم بنا کر مسلط کر دینا دین حق کے حق میں زہر قاتل ہے۔ اور دین حق کی حفاظت ہر سنی کا فرض اولین اور جان و مال کی حفاظت کے فرض سے بدرجہا زائد اور اہم فرض ہے۔ اگر اہل سنت اپنے دین کی حفاظت کا عزم کر لیں تو دنیا کی کوئی طاقت دین حق کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

دوسری اہم ضرورت اسکی ہے کہ عوام اہل سنت کو دین حق یعنی مذہب اہل سنت کے خصوصیات و امتیازات سے آگاہ کیا جائے، اور ان غلط افکار سے ان کے ذہن کو پاک کیا جائے جو شیعی پروپیگنڈے کی وجہ سے ان کے ذہن میں پھیل گئے ہیں۔ تمام سنی بھائیوں سے تیسری بات یہ کہنا ہے۔ کہ انہیں اپنے سنی سیاسی قائدین سے خواہ وہ کسی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور ان علماء دین سے جو اس اہم مسئلہ سے چشم پوشی کر رہے ہیں، سوال کا حق ہے اور انہیں پوچھنا چاہیئے کہ آپ حضرات ہماری سیاسی یا دینی قائد ہیں۔ آپ نے آج تک دین اہل سنت اور حقوق اہل سنت کے تحفظ کے لئے کیا کیا۔؟ اور اب کیا ارادہ ہے۔؟ آپ جس اسلام کے تحفظ کا نعرہ لگاتے ہیں۔ اور جس نظام شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں وہ کونسا اسلام ہے۔؟ قرآن و سنت اور صحابہ کرامؓ کا اسلام ؟ یا کوئی سکالر اسلام جو آپ کا خود ساختہ ہے۔؟ اگر آپ دین اہلسنت کی حفاظت نہیں کر سکتے اور ان کے حقوق کی حفاظت نیز ان کے مغصوبہ حقوق کی بازیابی کیلئے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھا سکتے تو ہماری قیادت سے ہاتھ اٹھا لیجئے۔ اور ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنی قیادت کسی اور کے سپرد کریں۔ جو سنی ذہن رکھتا ہو اور قومی مسائل کو اسی ذہن سے سوچے۔

ہوش اور عزم کی ضرورت

سنی علماء، سنی قائدین سیاسی، سنی عوام، سب سے مجھے کہنا ہے کہ دین حق کے برابر کوئی چیز بھی

عزیز اور قیمتی نہیں، جان و مال عزت و جاہ، سب چیزیں اس کے سامنے ہیچ در ہیچ ہیں۔ اس وقت اس کے لئے خطرہ عظیمہ در پیش ہے۔ اگر اس وقت آپ بیدار نہ ہوئے، اور دشمنانِ دین کے غفلت انگیز، حمیت کش، اور گمراہ کن نعروں اور ان کی سخن آرائیوں سے متاثر ہو کر اپنی غلط روی اور بے حمیتی پہ قائم رہے تو یاد رکھئے کہ دین حق کی نعمت آپ سے چھین لی جائے گی، اللہ تعالیٰ غنی ہے، اور اس کا بھیجا ہوا دین بھی ہم سے مستغنی ہے۔ دین کو ہماری حاجت نہیں، ہمیں دین کی حاجت ہے۔ اگر آپ اسکی حفاظت کی فکر اور کوشش نہ کریں گے۔ تو یہ نعمت عظیمہ آپ سے چھین لی جائے گی۔ اور العیاذ باللہ پاکستان بلکہ دنیائے اسلام سے دین حق یعنی دین اہل سنت والجماعت رخصت ہو جائیگا،

اگر ہم ملک پر شیعوں اور مرزائیوں کے سیاسی وانتظامی تسلط کو اسی طرح گوارا کرتے رہے، جسطرح آج کر رہے ہیں، تو دین و دنیا دونوں کا سخت خسارہ ہوگا۔ اور ذلت و پستی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ پاکستان کے اہل سنت کو بیدار ہونا چاہیے، بلکہ ساری دنیائے اسلام کے اہل سنت کو شیعیت و مرزائیت کے تسلط سے خبردار اور اس کے مقابلہ کے لئے بیدار کرنا چاہیے۔

بقیہ : حافظ شیرازیؒ

کی تشریح فرما کر، مستشرقین کے اہتمام تلقین مے پرستی کو نہ صرف مضحکہ خیز ثابت کر دکھایا ہے، بلکہ اہل استشراق کی فلسفہ دانی کی حقیقت بھی ظاہر فرما دی ہے، انہی جوہر شناس کی "عرفان حافظ" کے متعلق یہ رائے ہے،

"دیوان حافظ کی پر جوش و مرد افگن شراب نے بھی بہت سے بے احتیاط مے نوشوں کو راہ سے بے راہ کر دیا تھا۔ بدگمانوں کو تو اس شراب معرفت پر شیراز کے بادۂ انگور کا شبہ ہوا، اور بے احتیاط خوش گمانوں نے اس سے اباحت کی تعلیم حاصل کی کہ ؎

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزل ہا

حضرت حکیم الامت کی نگاہ معرفت اس تیز و تند شراب کے "منافع و اثم" سے پوری طرح باخبر تھی، حضرت نے عرفان حافظ کے نام سے اسکی ایسی شرح لکھی کہ اس پھول سے ہر کانٹا الگ ہو گیا۔

ع ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

حضرت علامہ کی اسی رائے گرامی کی تصدیق کو دل چاہے تو "عرفان حافظ" حاضر ہے، کھولئے اور دیکھئے عیاں راچہ بیان !!

پروفیسر محمد ایوب قادری - ایم - اے

حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ اور صحابۂ کرامؓ

خلیفۂ دوم حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں خلافتِ اسلامیہ کو جو وسعت اور مسلمانوں کو جو عظمت و اقتدار حاصل ہوا وہ تاریخ اسلام کا روشن باب ہے۔ قیصر و کسریٰ کی وسیع و قدیم سلطنتیں خاک میں مل گئیں۔ شہنشاہیت و استحصال کا دور ختم ہوا، جمہوریت، مساوات اور مشورت کا زمانہ آیا۔ علوم و فنون کی گرم بازاری ہوئی۔ نظامِ حکومت اور آئینِ خلافت مدون ہوا۔ اس کامیابی میں اگر ایک طرف خلافت کا "منہاجِ نبوت" سے تعلق تھا، تو دوسری طرف سیدنا فاروق اعظمؓ کی اصابت رائے، حسنِ عمل، خلوص نیت اور صحابۂ کرامؓ کا تعاون و اشتراک بھی تھا ـــــ یہاں ہم سیدنا فاروق اعظمؓ اور صحابۂ کرامؓ کے تعلقات پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے اور ان تعلقات کا جائزہ لیں گے کہ جن کے نتیجے میں خلافتِ فاروقی کو ایسی شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔

سیدنا فاروق اعظمؓ قریش کی شاخ بنو عدی میں پیدا ہوئے، اس زمانے کے رواج کے مطابق پہلوانی شہسواری اور کشتی کے فن سیکھے، فصاحت و بلاغت اور علم انساب میں مہارتِ کاملہ حاصل کی۔ نوشت و خواند سے بھی بے بہرہ نہ رہے اور اپنے خاندانی منصب "سفارت" کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ "حضرت عمرؓ" جیسا قریش کا بطلِ جلیل اسلام میں داخل ہو جائے تاکہ اسلام کو تقویت حاصل ہو۔ چنانچہ جب سیدنا فاروق اعظم مشرف بہ اسلام ہوئے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کو نہایت مسرت و خوشی ہوئی اور سب نے تحسین و آفرین کے نعرے بلند کئے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں نے علی الاعلان نماز پڑھنی شروع کر دی اور ان کو خاصی تقویت حاصل ہو گئی۔

سیدنا فاروقِ اعظمؓ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں نہایت قرب و اعتماد حاصل تھا۔ ان کی

اصابتِ رائے کا یہ عالم تھا کہ بعض امور میں ان کی رائے کے مطابق نزول وحی ہوا۔ اسیرانِ بدر کا معاملہ، تحریمِ خمر، آیۂ حجاب ازواجِ مطہرات، مصلیٰ مقامِ ابراہیم اس پر شاہد ہیں۔ سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی تجویز کے مطابق ہی اذان کا طریقہ شروع ہوا۔ سیدنا فاروقِ اعظمؓ تنہا وہ شخص تھے کہ جنہوں نے علی الاعلان مکہ سے مدینہ ہجرت کی ان کے ہمراہ مندرجہ ذیل حضرات تھے :۔

زید بن خطابؓ، سعید بن زیدؓ، خنیس بن حذافہؓ، عمرو بن سراقہؓ، عبداللہ بن سراقہؓ، واقد بن عبداللہ تمیمیؓ، خولی ابن ابی خولیؓ، مالک ابن ابی خولیؓ، ایاس بن بکیرؓ، عاقل بن بکیرؓ، عامر بن بکیرؓ، خالد بن بکیرؓ۔

مدینہ منورہ پہنچنے پر سیدنا فاروقِ اعظم کا رشتۂ "اخوت" عتبان بن مالکؓ" سے ہوا جو قبیلۂ بنو سالم کے سردار تھے۔

جانشین رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلیفۂ راشد اوّل اور افضل البشر بعد الانبیاء حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کے وہ ہر معاملے میں معین و مددگار رہے۔ خلیفۂ اوّلؓ کے انتخاب کے موقع پر سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے جس اصابت رائے، جرأت اور عاقبت اندیشی سے قدم اٹھایا۔ اس کے نہایت دوررس نتائج ظاہر ہوئے۔ انہوں نے سقیفۂ بنی سعدہ میں حضرت سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے مفاسد و فتن کا دروازہ بند کر دیا اور مسلمانوں کو انتشار سے بچا لیا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ ان سے ہر معاملے میں مشورہ لیتے تھے اور اکثر مقدمات کے فیصلے ان ہی کے سپرد کرتے تھے۔ ان کے مشورے اور ایماء سے دورِ صدیقی میں تدوینِ قرآن کا کام ہوا۔ جب جنگ یمامہ میں حفاظ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی، تو ان کی تحریک پر سیدنا صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ کو تدوینِ قرآن کا کام سپرد کیا۔ جنگ ردہ میں بھی وہ صدیقِ اکبرؓ کے دستِ راست تھے۔ مشہور مستشرق سر ولیم میور نے لکھا ہے :

"حضرت ابو بکرؓ کو حضرت عمرؓ کے مشورے اور صلاح پر اس قدر بھروسہ اور اعتماد تھا۔ اور ان کا فیصلہ (سوائے چند خاص مثالوں کے) ان کے نزدیک اتنا وزن رکھتا تھا کہ ان کو خلافت اور حکومت میں شریک کہا جا سکتا ہے۔"

حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے انتقال کے موقع پر سیدنا فاروق اعظمؓ کو خلیفہ مقرر کر کے جس پختگیٔ رائے اور دور اندیشی کا ثبوت دیا وہ ظاہر ہے۔ صحابہ کرامؓ نے ان کی سخت مزاجی کی طرف تو اشارہ کیا مگر ان کو ناموزوں قرار نہیں دیا۔ سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے ہی سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کو اپنے دورِ خلافت میں جو شاندار کامیابی، فتوحاتِ عظیمہ اور خلافت میں استحکام نصیب ہوا، وہ صحابۂ کرام کے پُرخلوص تعاون اور اشتراک کا نتیجہ تھا۔ وہ صحابۂ کرام سے مشورہ اور تعاون ضروری

سمجھتے تھے ۔ اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھتے تھے ۔ انہوں نے روزانہ پیش آنے والے مسائل کے فیصلے کے لئے اہل الرائے صحابہ کرامؓ کی ایک مجلس مشاورت بنائی تھی اور تمام ملکی و قومی مسائل مجلس شوریٰ سے طے پاتے تھے ۔ اس مجلس میں مہاجرین و انصار کے منتخب اکابر اور اہل الرائے حضرات شریک ہوتے تھے اور اتفاق رائے یا کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ ہوتا تھا ۔ اس مجلس مشاورت کے خاص ارکان عثمان غنیؓ ، علیؓ ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ ، معاذ بن جبلؓ ، ابی ابن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ تھے ۔

مہمات امور کے لئے ممتاز مہاجرین و انصار کی خاص مجلسیں بھی ہوتی تھیں ۔ ایک مجلس عام بھی ہوتی تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ سرداران قبائل بھی شریک ہوتے تھے ۔ ہر شخص کو اظہار رائے کی پوری پوری آزادی حاصل تھی ۔ حکومت پر نکتہ چینی کا حق حاصل تھا ۔ معمولی معمولی مسلمان بر سر عام سیدنا فاروق اعظمؓ کو ٹوک دیا کرتے تھے ، اس قسم کے واقعات عام طور پر معلوم و مشہور ہیں ۔

صحابہ کرامؓ کے تعاون اور مشورہ کو سیدنا فاروق اعظمؓ والیوں اور گورنروں کے لئے بھی ضروری سمجھتے تھے ۔ مغیرہ بن شعبہؓ کی معزولی کے بعد ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا حاکم بنا کر بھیجا گیا تو انہیں حکم دیا کہ وہ سنت نبوی کی پابندی کریں ۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کا تعاون حاصل کریں کیونکہ وہ اس امت کے نمک ہیں ۔ اور ان سے کہا کہ جو صحابہؓ تمہیں پسند ہوں ان کو اپنے ہمراہ لے جاؤ ، چنانچہ ابو موسیٰ اشعری نے انتیس ۲۹ صحابہؓ کا انتخاب کیا ۔

جنگ نہاوند کے موقع پر مجلس مشاورت منعقد ہوئی ۔ عثمان غنیؓ ، طلحہؓ ، زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ ، نے نہایت آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کیا اور سیدنا فاروق اعظمؓ کی رائے کی تائید کی ۔ حضرت عباسؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور نقد و جرح فرمائی ۔ حضرت علیؓ نے جوابی تقریر کی ، بعد کو ثابت ہوا کہ فاروق اعظمؓ کی رائے صحیح تھی ۔ صحابہ کرامؓ جہاد و جنگ میں شریک ہو کر سیدنا فاروق اعظمؓ کے مشن کی تکمیل کرتے تھے ۔ — خالد بن ولیدؓ ، عمرو بن العاصؓ ، سعد بن وقاصؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ جیسے سپہ سالاروں نے فتح و ظفر کی وہ مثالیں قائم کر دیں کہ تاریخ میں ان کی نظیر نہیں ملتی ۔ جب سعد بن وقاصؓ عراق کی مہم پر گئے تو ان کے ہمراہ ستر وہ صحابہؓ تھے کہ جو جنگ بدر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوہر شجاعت دکھا چکے تھے ۔ اسی طرح جب ابو عبیدہؓ جنگ یرموک میں رومیوں کے مقابلے کے لئے گئے تو اس جنگ میں ایک ہزار صحابہؓ شریک تھے جن میں سے سو ایسے صحابہؓ تھے جو جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے ۔

جب عمرو بن العاصؓ نے فتح مصر کے موقع پر مدد طلب کی تو زبیر بن العوامؓ اور عبادہ بن الصامتؓ ان کی مدد کے لئے بھیجے گئے ۔ سیدنا فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے کہ وہ مہاجرین مع تلواروں کے سائے میں

ہیں (جنگ کر رہے ہیں) قید نہیں کئے جائیں گے۔ اور انہیں تکلیف نہیں دی جائے گی، ان کو اور ان کے اہل وعیال کو فیاضی کے ساتھ مالِ غنیمت تقسیم کیا جائے گا، اور جب تک وہ (جنگ سے) واپس آئیں گے ان کے اہل وعیال کی میں نگرانی کرتا رہوں گا

انصار نے اللہ کی راہ میں قربانی دی ہے۔ اور دشمنوں سے جنگ کر رہے ہیں۔ ان کے نیک کام کو سراہا جائے گا۔ ان کی لغزشوں کو معاف کیا جائے گا۔ نیز اہم معاملات میں ان سے مشورہ کیا جائیگا۔"

عرب میں ۱۔ امیر معاویہؓ ۲۔ عمرو بن العاصؓ ۳۔ مغیرہ بن شعبہؓ اور ۴۔ زیاد بن سمیہ کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا۔ یہ حضرات کو بڑے بڑے عہدے دئے امیر معاویہؓ والئ دمشق رہے۔ ۱۸ھ میں ان کے ہاتھوں فتح ہوا۔ عمرو بن العاصؓ نے مصر میں فتح کے جھنڈے گاڑ دئے۔ اسی طرح مغیرہ بن شعبہؓ مختلف شہروں کے والی رہے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں ہر شخص قانون کی نظر میں برابر تھا۔ مساوات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ حضرت بلالؓ اور حضرت عمارہؓ اگرچہ غلام رہ چکے تھے۔ مگر اجل صحابہؓ کے برابر سمجھے جاتے تھے اور سردارانِ قریش کے مقابلے میں فوقیت و برتری رکھتے تھے۔

فتوحاتِ عراق کے بعد تعین خراج کے سلسلے میں عام بحث و مشورت ہوئی اکابر صحابہؓ نے اس بحث میں آزادانہ حصہ لیا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ خاندانِ نبوت کا بہت خیال رکھتے تھے، جب وظائف مقرر کئے گئے تو ابتدا خاندان بنوہاشم سے ہوئی رجسٹر میں سب سے پہلے حضرت عباسؓ اور علیؓ کے نام لکھے گئے۔ وظائف کی رقم میں بھی ان کا لحاظ رکھا گیا۔

ازواج مطہراتؓ کے وظیفوں کی رقم سب سے زیادہ تھی ان کے بعد اصحاب بدر کے وظائف کی رقوم تھیں۔ اگرچہ حضرت حسنؓ اور حسینؓ اس گروہ میں نہ تھے۔ مگر ان کے وظائف بھی اسی حساب سے مقرر ہوئے۔

اسامہ بن زیدؓ کا وظیفہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر ہوا۔ حضرت عبداللہؓ نے عذر داری کی تو فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ اسامہؓ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔
فتح مدائن کے موقع پر حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو ایک ایک ہزار درہم دئے گئے اور ان کے بیٹے عبداللہؓ کو پانسو درہم دئے گئے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کا بہت خیال رکھتے تھے، نخلستان بنو نضیر کا انتظام حضرت عباسؓ اور علیؓ کے سپرد کیا۔ ایک موقع پر جب قحط سالی ہوئی

اور بارش نہ ہوئی تو سیدنا فاروق اعظمؓ نے حضرت عباسؓ کے ساتھ نماز استسقاء پڑھی اور ان کے وسیلے سے دعا مانگی۔ عبداللہ ابن عباسؓ تو برابر ان کی زیر تربیت رہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ اور علیؓ میں نہایت خلوص اور دوستانہ تعلقات تھے۔ خدائے رحمان نے ان مومنین نیک اعمال کے دل میں محبت و مودت پیدا کر دی تھی، جس پر قرآن شاہد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے خدائے
سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ٥ (سورۂ مریم)	رحمان ان میں محبت پیدا کر دے گا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ سے مشورہ کرتے تھے اور علیؓ ان کو مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔ انہوں نے ۱۶ نبوی میں سن ہجری کا اجراء علیؓ کے مشورے سے کیا اور جب سیدنا فاروق اعظمؓ بیت المقدس گئے تو خلافت کی ذمہ داریاں حضرت علیؓ کے سپرد کر گئے۔ ان کے باہمی تعلقات کی استواری کا یہ عالم تھا کہ حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کو جو حضرت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھیں سیدنا فاروق اعظمؓ کے نکاح میں دے دیا تھا۔ اور اس طرح سیدنا فاروق اعظمؓ کا رشتۂ مصاہرت بنت علیؓ کے ذریعہ خاندان نبوت سے ہو گیا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ نے ایک موقع پہ حضرت علیؓ کے لئے فرمایا: "اطال اللہ بقاک" اور "ایدک اللہ" فرمایا۔

جب بیت المقدس کا تاریخی معاہدہ تحریر ہوا تو اس پر مندرجہ ذیل صحابہ کبار ۱۔ خالد بن ولیدؓ۔ ۲۔ عمرو بن العاصؓ ۳۔ عبدالرحمن بن عوفؓ اور ۴۔ امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کے بھی دستخط ہوئے۔

صحابہ کرامؓ بھی سیدنا فاروق اعظمؓ کا ہمہ وقت پاس اور لحاظ رکھتے تھے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے محسوس کیا کہ ان پہ تنگ دستی کا زیادہ غلبہ ہے۔ چند جلیل القدر صحابہؓ عثمان غنیؓ، علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ نے مشورہ کیا کہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے وظیفے میں اضافہ ہونا چاہیئے۔ اور اس کی ان کو ترغیب دینی چاہیئے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی رائے کے مطابق پہلے ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے رجوع کیا گیا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے اضافۂ وظیفہ کی تجویز کو کلیتاً مسترد کر دیا اور اس بات کو ناپسند فرمایا۔

سب سے پہلے حضرت عمروؓ بن العاص نے سیدنا فاروق اعظمؓ کو "امیر المومنین" کہا پھر یہ خلیفۃ المسلمین کا عام لقب ہو گیا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرامؓ کی بھی ان کے درجے اور مرتبے کے مطابق تعظیم و تکریم فرماتے تھے۔ عثمانؓ، علیؓ، سعد بن وقاصؓ، طلحہؓ، زبیرؓ و دیگر صحابہؓ کا وہ پورا خیال رکھتے تھے۔ لیکن جہاں دینی یا قومی مسائل ہوتے وہاں وہ کسی کے ساتھ

رعایت نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ گورنر مصر کے صاحبزادے نے ایک قبطی کو بلاوجہ مارا اس پر انہوں نے عمرو بن العاصؓ کے سامنے ان کے اس بیٹے کو کوڑے لگوائے۔ خالد بن ولیدؓ کی جنگی قابلیت مسلمہ تھی، لیکن جب مصلحت سمجھی تو ان کو معزول کر دیا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ صحابہ کرامؓ کو ان کی قابلیت کے مطابق منصب عطا کرتے تھے، اور اس بات کی قطعاً پروا نہیں کرتے تھے کہ کون عزیز ہے اور کون غیر ہے۔ ذیل میں ان کے دور کے عمال کی ایک مختصر سی فہرست بصراحت شعبہ جات پیش کی جاتی ہے:۔

والیان و عمال		مجلس افتاء کے ارکان	دیگر عہدیداران	
ابوعبیدہ بن الجراحؓ	والی شام	عثمانؓ	خالد بن ولیدؓ	سپہ سالار
سعد بن وقاصؓ	والی عراق	علیؓ	عبادہ بن الصامتؓ	قاضی
یزید بن ابی سفیانؓ	عامل فلسطین	عبدالرحمن بن عوفؓ	زید بن ثابتؓ	میر منشی/قاضی (مدینہ)
عمرو بن العاصؓ	والی مصر	ابی ابن کعبؓ	محمد بن مسلمہؓ	افسر تحقیقات
امیر معاویہؓ	والی دمشق	ابوہریرہؓ	خالد بن ابی العاصؓ	رکن خلافت
ابوموسیٰ اشعریؓ	والی بصرہ	معاذ بن جبلؓ	عثمان بن حنیفؓ	مہتمم بندوبست اضلاع فرات
عتاب بن اسید امویؓ	عامل مکہ	زید بن ثابتؓ	عبداللہ بن مسعودؓ	افسر خزانہ کوفہ
عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ	حاکم مصر صعید	ابودرداءؓ	قدامہ بن مظعونؓ	افسر پولیس بحرین
عثمان بن ابی العاصؓ	والی طائف	**معلمین قرآن وحدیث**	عبداللہ بن الارقمؓ	افسر خزانہ/میر منشی
یعلیٰ بن امیہؓ	حاکم یمن	سلمان فارسیؓ	عبداللہ بن عتبہؓ	نگران بازار
علاء بن الحضرمیؓ	حاکم بحرین/یمن	ابودرداءؓ (دمشق)	سلمان بن ربیعہ الباہلیؓ	قاضی
عیاض بن غنمؓ	والی جزیرہ/مصر	عبداللہ بن مسعودؓ	عبداللہ بن الخزامیؓ	کاتب دیوان
حذیفہ بن الیمانؓ	عامل مدائن	ابومسعودؓ (کوفہ)	ابوہریرہؓ	پولیس افسر بحرین
ہرثمہ بن عرفجہ ازدیؓ	عامل موصل	معاذ بن جبلؓ (حمص)	حذیفہ	انچارج بیت المال
عمیرہ بن سعدؓ	عامل حمص	عمران بن حصینؓ (بصرہ)	عقیل بن ابی طالبؓ	تقرر وظائف کے افسر
عمار بن یاسرؓ	حاکم کوفہ	انس بن مالکؓ (بصرہ)	مخرمہ بن نوفلؓ	
سمرہ بن جندبؓ	حاکم سوق الاہواز	عبادہ بن الصامتؓ (شام)	جبیر بن مطعمؓ	
حجاج بن عتیکؓ	عامل فرات			
نافع بن عبدالحارثؓ	حاکم مکہ			
نعمان بن عدیؓ	حاکم میسان			
مغیرہ بن شعبہؓ	حاکم بصرہ			

باوجودیکہ یہ جماعت سیدنا فاروق اعظمؓ کی معتمد علیہ تھی لیکن وہ ان لوگوں کی ذرا ذرا سی بات پر نظر رکھتے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً ان کی گرفت کرتے رہتے تھے، ان کو تنبیہ کرتے رہتے تھے، ان سے حساب فہمی کرتے تھے، اگر کوئی بات خلاف ضابطہ ہوتی تو جواب طلب کرتے تھے اور عدم اطمینان کی صورت میں تعزیری کاروائی کی جاتی تھی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی عظمت وجلالت ظاہر ہے۔ مگر جب معلوم ہوا کہ انہوں نے کوفہ میں اپنے لئے ایک بڑا مکان بنالیا ہے تو انہوں نے ان کو تنبیہ کی اور وہ مکان منہدم کرادیا۔ مغیرہ بن شعبہؓ اور عمار بن یاسرؓ کو معزول کیا گیا۔ اس طرح بعض اور اصحاب کے واقعات ہیں۔

صحابہ کرامؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ کی سخت مزاجی کے باوجود ان کا پورا پورا احترام کرتے تھے اور ان کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے وہ جانتے تھے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں اس میں سراسر دینی یا ملّی مفاد ہوتا ہے، وہ ان کے سامنے ایسی ویسی بات کہتے ڈرتے تھے، لیکن معقول بات کہنے سے نہیں جھجکتے تھے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ بھی معقول بات خندہ پیشانی سے سنتے تھے اور انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:[1]

فوالله ما عصيته ولا غششته حتى توفاه الله۔	خدا کی قسم میں نے کبھی ان کی نافرمانی نہیں کی اور نہ خیر خواہی کے خلاف مجھ سے کوئی فعل سرزد ہوا۔

اور عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:[2]

ثم صحبت صحبتهم فاحسنت صحبتهم ولئن فارقتهم لتفارقنهم وهم عنك راضون۔	تو پھر صحابہؓ آپکے ساتھ رہے اور آپ نے حسن رفاقت کا حق ادا کر دیا اور اگر آپ ان کو چھوڑیں گے تو اس حال پر کہ وہ آپ سے راضی ہوں گے۔

جب سیدنا فاروق اعظمؓ فیروز لؤلؤ (مجوسی) کے ہاتھوں زخمی ہوتے تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور چھ حضرات عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعد بن وقاصؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی کہ ان میں سے جس کسی شخص پر اتفاق رائے ہو جائے اس کو خلیفہ بنالیا جائے۔ اس بورڈ میں ایک مشاورتی رکن ان کے صاحبزادے عبداللہؓ بھی تھے۔ مگر وہ امیدوار خلافت نہیں ہوسکتے تھے۔

غرض سیدنا فاروق اعظمؓ اور صحابہ کرام کے تعلقات کا یہ ایک ہلکا سا جائزہ ہے، جس سے پورا پورا خلوص ر

---

[1] بخاری باب بنیان الکعبہ وباب ہجرۃ الحبشہ [2] بخاری کتاب المناقب باب مناقب عمر بن الخطاب۔

اعتماد اور تعاون و اشتراک ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ سابقین اوّلین، عشرہ مبشرہ اور خلفائے راشدین میں سے تھے وہ صحابہؓ میں سب سے زیادہ عالم وزاہد تھے، ان سے ۵۳۹ حدیثیں مروی ہیں۔ سیدنا فاروق اعظمؓ سے احادیث روایت کرنے والے مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ ہیں۔ عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، سعد بن وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوذرؓ، عمرو بن ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابوہریرہؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، براء بن عازبؓ، ابوسعید خدریؓ و دیگر صحابہ کرامؓ۔

آخر میں ہم اس مضمون کو شہادت غیر کے تحت ڈاکٹر گستاؤلی بان کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

—— اس نئے دین (اسلام) کو بہتیرے موانع درپیش تھے اور بیشک وہ اصحاب نبی کی خوش تدبیری ہی تھی جس نے انہیں ان موانع پر کامیاب کیا۔ انہوں نے خلافت کے لئے ایسے ہی اشخاص کو انتخاب کیا جن کی ساری غرض اشاعت دین محمدی تھی۔

—— یہ سب (خلفائے راشدین) حضرت رسالت مآب کے صحابہ تھے اور ان میں پیغمبر خدا کی سخت زندگی اور سادہ عادتیں موجود تھیں۔

—— خلفائے راشدین کے زمانے میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا اور ایک ہی قانون سب کے لئے تھا۔

—— حضرت عمرؓ جس قدر عمدہ منتظم تھے۔ اسی قدر عمدہ سپہ سالار تھے اور ان کا انصاف تو ضرب المثل تھا۔ (تمدن عرب)

بقیہ:- انتخابات اور قادیانی

قوم کو اس کے مضمرات پر غور کرنا چاہیئے۔

جس طرح سابقہ انتخابات میں سی آئی اے اور اسرائیل نے قادیانیوں کی معرفت سیاسی سازشوں کے جال بچھائے، اس طرح اب بھی قادیانی پاکستان کے خلاف سازش کرنے پر تلے ہوئے ہیں ان کو پاکستان کی سابقہ اسمبلی اور اس کے اراکین کے خلاف سخت غصہ ہے، لیکن وہ بڑے پر سکون طریقے اور ٹھنڈے دل سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ الیکشن کمیشن نے احمدی مسلمان کے گمراہ کن لفظ سے دھوکا کھائے بغیر ایک قادیانی کے فارم مسترد کر دیئے ہیں جس سے قادیانی سیخ پا ہیں، بہرطور ان کے بعض آزاد امیدوار اب بھی سرگرم کار ہیں۔ مسلمانوں کو قادیانیوں کی انتخابات کے دوران سازشوں پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے۔

مولانا مفتی محمد فرید - دارالعلوم حقانیہ
میاں محی الدین ایل ایل بی ایڈوکیٹ - لاہور

حقوقِ نسواں کمیٹی کی سفارشات پر تبصرہ

صغر سنی میں شادی کا جواز اور اس کے دلائل

اہلِ اسلام، خصوصاً اہلِ علم پر مخفی نہیں کہ قرآن اور حدیث میں نکاح یا شادی کے لئے کوئی عمر مقرر نہیں ہے۔ تمام اہلِ مذاہب کے نزدیک صغر سنی میں نکاح اور شادی بیشمار مصالح کے حصول کے لئے جائز ہے۔ البتہ جماع کے جواز کے لئے بیوی کی برداشت شرط ہے، کیونکہ ایذاء رسانی اور ہلاکت حرام ہے۔ پس کسی کمیٹی یا حکومت کا شادی کی عمر کم از کم اکیس[۲] سال مقرر کرنا خلافِ شریعت اور مداخلت فی الدین ہے۔

دلائل ۱۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْھُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ۔ اور جو عورتیں ناامید ہوئیں حیض سے تمہاری عورتوں میں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو ان کی عدت ہے تین مہینے اور ایسے ہی جن کو صغر کی وجہ سے حیض نہیں آتا۔ (سورۃ طلاق)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نابالغہ کا نکاح اور شادی درست اور مشروع ہے۔ کیونکہ طلاق کی صحت نکاح کی صحت پر موقوف ہے۔ اور عدت، خلوت یا جماع پر موقوف ہے۔ پس جب عورت کا نکاح اور شادی صغر سنی میں جائز ہو۔ حالانکہ شادی میں اذیت کا احتمال موجود ہے تو مرد کا نکاح اور شادی صغر سنی میں بطریقِ اولیٰ جائز ہوں گے۔ کیونکہ اس میں اذیت کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔

۲۔ نیز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ سے نکاح کیا تھا۔ حالانکہ ان کی عمر چھ سال تھی اور ہجرت کے بعد نو سال کی عمر میں شادی فرمائی۔ (رواہ البخاری وغیرہ) پس کم سن مرد کے لئے یہ حکم بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگا۔

۳۔ نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کم سن بیٹی کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کرایا اور کسی نے اس پر انکار نہ کیا۔ رواہ عبدالرزاق فی المصنف ج۶ ص۱۶۳

عن عکرمة ان علیؓ بن ابی طالب اَنکحَ ابنتہ جاریةً تلعبُ مع الجواری عمر بن الخطاب رضی

روایۃ انہ ادخلہا علیہ۔ پس کم سن مرد کے لئے بھی یہ جواز ثابت ہوگا۔

۴۔ نیز حضرت عروہ بن زبیر نے اپنے چھ سالہ بیٹے کا پانچ سالہ لڑکی سے نکاح کیا اور کسی نے اس پر انکار نہ کیا کما فی المصنّف ان عروۃ بن الزبیر انکح ابنہ صغیراً ابنۃ المصعب صغیرۃ ص ۱۶۴ ج ۶ وعن ھشام بن عروۃ قال زوّج ابی ابنہ صغیراً ھذا ابن خمس وھذا ابن ستّ والصواب ھذہ بنت خمس وھذا ابن ستّ ص ۱۶۵ ج ۶

۵۔ نیز ابن شبرمہ فرماتے ہیں کہ نابالغ اور نابالغہ کے لئے خیار بلوغ ثابت ہے المصنف ص ۱۶۶ ج ۶ اور اسی صفحہ میں عمر بن عبدالعزیز سے بھی یہ حکم مروی ہے۔ کتب عمر بن عبدالعزیز الی عامل لہ اذا انکح الیتیم والیتیمۃ وھما صغیران فھما بالخیار اذا بلغا۔ اور خیار بلوغ صحت نکاح پر موقوف ہوتا ہے۔

۶۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ والد سے نابالغ بیٹے کے ذمہ واجب الادا مہر کا مطالبہ نہ کیا جائے گا، جب تک کہ وہ ضامن نہ ہوا ہو۔ رواہ عبدالرزاق۔ (ولد ۱۲۶ھ وتوفی ۲۱۱ھ) فی المصنّف ص ۱۶۷ ج ۶ ولفظہ لا یؤخذ الاب بصداق ابنہ اذا زوّج فمات صغیراً الّا ان الاب کفل بشیئ۔ اور مہر کا وجوب صحت نکاح پر موقوف ہے۔

۷۔ نیز اگر قانونی طور سے اکیس ۲۱ سال سے قبل نکاح ممنوع قرار دیا جائے، تو اگر بیس سالہ نوجوان جنسی خواہشات پورا کرنا چاہے تو اس کے لئے کیا چارہ ہوگا کیا وہ زنا کا مجاز ہوگا۔؟ کیا وہ جھوٹ بولنے اور اسٹامپ میں زیادہ عمر لکھنے پر مجبور کیا جائے گا۔؟ کیا حکومت رشوت ستانی کا ایک نیا دروازہ کھولنے کی ذمہ دار نہ ہوگی۔

اگر اس کمیٹی کا باعث یہ ہو کہ اکیس ۲۱ سال سے کم عمر والا حقوق ادا نہیں کر سکتا ہے یا ایسا کرنا تعلیم کیلئے حائل ہے۔ تو یہ غلط اور ناقابل تسلیم امر ہے، اور بصورت تسلیم اس کا علاج تحدید نہیں ہے۔ کہ ایسی عورت یا اس کا ولی نکاح دینے سے انکار کریں نہ کہ مداخلت فی الدین کا ارتکاب کیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ حکومت، مسلمان مردوں کو زنا کا عادی بنانا چاہتی ہے۔ اگر حکومت مسلمان خواتین یا مردوں کی خیرخواہ ہوتی تو قرآن وحدیث سے باقاعدہ باخبر علماء سے کمیٹی کا انتخاب کرتی۔ والی اللہ المشتکی ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

(محمد فرید عفی عنہ)

چند سفارشات پر تبصرہ

تجربہ سے یہ بات ناقابلِ تردید حد تک ثابت ہو چکی ہے۔ کہ مسلم خاندانی قوانین کے آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱ء

کے نفاذ کے بعد ہمارے معاشرہ کا ایک وافر حصہ ازدواجی سکون سے محروم ہو گیا ہے۔ اور عقل و انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ یہ قانون بہت عرصہ پیشتر ہی منسوخ کر دیا جاتا یا اس میں مناسب ترامیم کی جاتیں۔ مگر افسوس ہے کہ سال رواں کے آغاز میں حکومت نے خاندانی مسائل کا جائزہ لینے کے لئے جو حقوقِ نسواں کمیٹی تشکیل دی اس نے بعض اہم ترین معاملات میں جلتی آگ پر تیل کا سا کام کیا۔ اس کمیٹی کی رپورٹ اور سفارشات کے پہلے حصّہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ ممبران کمیٹی نے مردوں کی فلاح و بہبود کے عنصر کو بالائے طاق رکھ کر اپنی تمام تر دماغی کاوشیں صرف عورتوں ہی پر مرکوز کر دی ہیں۔ اور مردوں کو عورتوں کے ہاتھوں میں ایک استحصالی آلۂ کار سے زیادہ حیثیت نہیں دی ہے۔ ممبران کے خیال میں لفظ فیملی یعنی خاندان کی تعریف میں شاید بیوی بچوں کا وجود ہی آتا ہے۔ خاوند کا نہیں۔ مذکورہ کمیٹی کا جو انتخاب ہوا ہے اس کے تحت ہم اس سے غیر جانبدارانہ اور منصفانہ تجاویز کی توقع رکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اس کے چودہ ممبران میں سے نو ممبران مستورات ہیں اور کمیٹی کی مشیر بھی ایک عورت ہی ہے۔ جبکہ بقایا پانچ مرد ممبران میں سے صدر اور تین ممبر حکومت کے ہمہ وقتی تنخواہ دار ملازم ہیں۔ اور صرف ایک ممبر طبقۂ عوام میں سے ہیں جو کراچی کے ایک وکیل ہیں۔ مناسب تو یہ تھا کہ اس کمیٹی میں زندگی کے ہر شعبہ کے نمائندوں کو شامل کیا جاتا اور مسائل زیر غور کی نوعیت کے مدِّ نظر علمائے دین میں سے بھی لازمی کچھ حضرات کو شمولیت کی دعوت دی جاتی۔ لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ رپورٹ سے یہ بھی ظاہر نہیں ہے کہ کتنے ممبران نے اس سے اتفاق کیا اور کتنے ممبر اس سے متفق نہیں تھے۔

میری ناچیز رائے میں ممبران کمیٹی نے اس اعتماد کا غلط اور ناجائز فائدہ اٹھایا ہے جو ان کی تقرری کے وقت حکومت نے ان پر کیا کیونکہ رپورٹ پیش کرتے وقت اکثر و بیشتر مقامات پر انہوں نے سراسر جذباتیت اور تنگ نظری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور مردوں کے خلاف متعصبانہ خیالات ان کی سفارشات سے جابجا مترشح ہیں۔ یہ چیز صریحاً اعتماد کے غلط استعمال کے مترادف ہے۔ مانا کہ یہ رپورٹ عوام کی تنقید اور تبصرہ کے لئے شائع کر دی گئی ہے۔ لیکن بنیادی طور پر ممبران کا یہ فرض تھا کہ وہ خود بھی دُور اندیشی اور سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے عوام کے سامنے ایک دلآزار رپورٹ پیش نہ کرتے اور اسلامی معاشرہ کے مسلمہ اصولوں اور خدا اور اس کے رسولؐ کے بنائے ہوئے قوانین کو اپنی ذاتی من گھڑت کسوٹی پر پرکھ کر توڑنے موڑنے سے اجتناب کرتے۔

اُمید ہے ہمارے قانون ساز ادارے اس رپورٹ کی بنیاد پر کوئی مزید اقدام اٹھانے سے پیشتر انتہائی سنجیدگی اور غور و خوض سے کام لیتے ہوئے سماج کو تباہی اور بربادی کے گڑھے میں نہیں دھکیلیں گے۔

کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ بیوی کو شادی کے پانچ سال کے بعد طلاق کی صورت میں خاوند کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد میں سے آٹھویں حصہ کا مالک قرار دیا جائے۔ فاضل ممبران نے یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ اگر بیوی کو اس کی نافرمانی، بدچلنی اور ناقابل برداشت معیوب حرکات کی وجہ سے طلاق دئے بغیر کوئی چارہ نہ رہے، تو کیا ایسی طلاق کی صورت میں بھی وہ خاوند کی جائداد میں کسی حصہ کی حقدار رہ سکتی ہے۔ نیز یہ کہ اس سفارش سے اسلام نے مہر کی جو شرط لگائی ہے۔ اس کا مقصد بالکل فوت ہو جاتا ہے۔ اسلامی قانون کی رُو سے بیوی اپنے خاوند سے صرف مہر کی رقم کی لین دار ہے۔ خاوند کی فوتیدگی کی صورت میں البتہ اس کا ورثہ میں جو حصہ ہے وہ پہلے ہی مقرر ہے جو آٹھواں ہے۔ کمیٹی کے ممبران چاہتے ہیں کہ بیوی اپنے سابقہ خاوند کی زندگی ہی میں اسکی ساری جائداد کا آٹھواں حصہ اینٹھ لے۔ علاوہ اس رقم کے جس کی مہر کی صورت میں وہ حقدار ہے۔ قرآن پاک یا کسی حدیث معتبر کے مطابق عورت کا طلاق کے بعد مرد کے ساتھ کسی قسم کے رابطے یا تعلق کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور نہ ہی اس پہ کوئی حق باقی رہتا ہے۔ ممبران کمیٹی نے عورت کی بہتری کا بہانہ تراش کر نعوذ باللہ اسلامی قانون کا مذاق اڑایا ہے۔ اور کھلم کھلا اسے اپنی تضحیک کا نشانہ بنایا ہے۔ کاش کہ فاضل ممبران اپنی وسیع النظری کا ثبوت اس بات سے دیتے کہ اگر بیوی خود خاوند سے طلاق یعنی خلع حاصل کرے تو خاوند بھی بیوی کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کے چوتھے یا پانچویں حصہ کا مالک قرار دیا جائے۔ ممبران نے ایسا کرنے سے دیدہ و دانستہ گریز کیا ہے، کیونکہ ان میں اکثریت خود عورتوں کی ہے۔ یہاں پر خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ کی مثال صادق آتی ہے۔ اسلامی قوانین کے بنیادی ڈھانچہ کے دائرہ میں رہ کر قواعد تو مرتب کئے جا سکتے ہیں، لیکن قوانین کو بذاتِ خود سرے سے ہی بدل دینا اور انہیں بدلتے ہوئے حالات کے جواز کی آڑ لے کر مسخ کر دینا سخت غیر اسلامی، غیر شرعی، مذموم اور قبیح اقدام ہے۔

کمیٹی نے ایک سفارش یہ بھی کی ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو اس کے ماں باپ، بھائیوں، بہنوں اور بچوں سے ملنے سے روکے تو اسے تین ماہ کی قید یا جرمانہ یا دونوں سزاؤں سے نوازا جائے۔ سبحان اللہ کیا سفارش ہے۔ کیوں جی اگر صورت اس کے برعکس ہو، یعنی اگر بیوی اپنے خاوند کو اس کے رشتہ داروں سے ملنے سے روکے تو پھر بیوی کو کیا سزا دی جائے۔؟ اس بارے میں کمیٹی نے خاموشی کا لبادہ کیوں اوڑھ لیا۔ حالانکہ معاملہ اُلٹ ہے۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ہمارے گھرانوں میں عام طور سے بیویاں ہی اپنے خاوندوں کو ان کے رشتہ داروں سے منقطع کرنے کی تگ و دو اور ریشہ دوانیوں میں لگی رہتی ہیں۔ اور ان کی حتی الامکان یہی کوشش ہوتی ہے کہ خاوند اپنے والدین تک کو خیر باد کہہ کر اپنی تمام زندگی صرف بیوی کی آؤ بھگت، حاشیہ برداری، پرورش۔ دیکھ بھال اور چونچلوں کی بھینٹ چڑھا دے۔

کمیٹی کی یہ تجویز کہ طلاق کے بعد بھی خاوند اپنی مطلقہ بیوی کو ایک معینہ مدت تک نان ونفقہ فراہم کرنے کا پابند رہے، سراسر خلافِ شرع، خلافِ تہذیب اور خلافِ قاعدہ ہے۔

ان تمام باتوں کا صاف مطلب یہ ہے کہ بیوی نہ ہوئی اچھی خاصی راہزن اور ڈاکو ہوگئی۔ اور اگر کوئی شخص شادی کرنا چاہے تو شادی سے پہلے یہ اچھی طرح سوچ لے کہ جو عورت اس کے گھر میں بیوی بن کر آنے والی ہے وہ اس کی لعنی ہونے والی بیوی کی تمام بدعنوانیوں کے باوجود بھی اس کے ہاتھوں اپنی جائداد کے ایک معتدبہ حصہ پر ڈاکہ ڈلوانے اور جیل کی ہوا کھانے کے لئے تیار رہے۔ نتائج ظاہر ہیں۔ ایسی صورت میں لوگ شادی سے پرہیز کریں گے اور جنسی آسودگی کی خاطر مختلف ٹھکانے تلاش کریں گے۔ عیاشی زور پکڑ جائے گی، سماج میں جنسی اور دیگر جرائم کی تعداد بڑھ جائے گی۔ اور تمام معاشرہ غارت ہو کر رہ جائے گا۔

ممبران کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں عورت کے لئے بے چاری اور غریب کے الفاظ بڑے واشگاف اور ہمدردانہ لہجہ میں استعمال کئے ہیں۔ مگر مرد کی بے چارگی اور غربت کا کسی کو خیال تک نہ آیا۔ چند شاذ ونادر مثالوں کو چھوڑ کر یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ کوئی خاوند بغیر کسی وجہ کے اپنی بیوی کو یونہی طلاق دے کر اپنا گھر اجاڑ کر خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہیں مارتا۔ بلکہ بیوی کی بے راہ روی۔ باغیانہ حرکات اور بد اطواری کے سبب وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ فاضل ممبران نے عورتوں کو کوئی ایسی مستحسن نصیحت فرمانے کی تکلیف نہیں کی کہ قانونِ فطرت اور خاص طور پر اسلام نے عورتوں کے لئے جو مقام متعین کیا ہے۔ وہ اس سے تجاوز نہ کریں اور افراط و تفریط سے کام نہ لیں۔ اپنے شوہروں کی تابعدار اور فرمانبردار رہیں۔ انہیں مجازی خدا سمجھیں صحیح معنوں میں انہیں اپنا سرپرست، نگہبان، کفیل اور عملی طور پر جیون ساتھی تصور کریں۔ زبان درازی، گستاخی بے جا ہٹ دھرمی اور عدم تعاون نہ کریں۔ صرف خالی خولی آزادی اور مساوات کا ڈھونگ رچانے سے کچھ نہیں ہوتا۔

خاندانی اور گھریلو زندگی کا نظم وضبط، رکھ رکھاؤ، حسن ونکھار اور خاوند بیوی کے باہمی ازدواجی اور ذاتی تعلقات کی خوش گواری یا ناخوشگواری کا تمام تر انحصار ان کے اپنے حسن سلوک یا بدسلوکی پر ہے۔ ان تعلقات کو کسی قانون کے ذریعہ ہرگز ہرگز استوار نہیں کیا جاسکتا۔ ضابطۂ اخلاق کسی قانون کا محتاج نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی قانون اسے مؤثر طریقہ پر نافذ کرسکتا ہے۔ اگر کوئی حکومت یا طاقت ان تعلقات کے محرکات کو بزور قانون عملی شکل دینے کی کوشش کرتی ہے۔ تو یہ ایک بے سود اور لایعنی عمل ہوگا۔

گستاخی معاف۔ آج اگر عورت یہ قانون نافذ کرالے کہ اس کے خاوند کو اسے یعنی بیوی کو رشتہ داروں سے ملنے سے باز رکھنے کی وجہ سے قید کردیا جائے تو کل وہ ایسا قانون بنوانے کی کوشش بھی کرسکتی ہے، کہ

یا تو اس کا خاوند ایک مقررہ عرصے کے بعد لازماً اس کے ساتھ اختلاط جنسی سے پیش آئے ورنہ بصورتِ دیگر اسے جیل خانے کا راستہ دکھایا جائے۔ یہ تو صرف ایک مثال ہے۔ اس کے علاوہ عورت کی جا و بے جا خواہشات کی دیگر متعدد اشکال بھی ہوسکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس کا خاوند اسے ہر ہفتہ سینما دکھائے، سیر کرائے ہوٹلوں اور کلبوں میں لے جائے۔ پردہ نہ کرائے۔ ملازمت سے نہ روکے۔ بچوں کی دیکھ بھال اور گھر کے کام کاج کے لیے نوکر کا انتظام کرے۔ ہانڈی روٹی کی تیاری کے لئے خانساماں مقرر کرے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ بقول اس کے ہماری اسلامی جمہوریۂ پاکستان کا دستور اسے آزادی اور مساوات عطا کرتا ہے۔

مندرجہ بالا سفارشات پر عمل درآمد کی کوشش بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہوگی۔ اور معاشرہ میں بے چینی، افراتفری، فضول مقدمہ بازیاں اور نت نئے جرائم رونما ہوں گے جنہیں قابو میں لانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوجائے گا۔ ہمیں حکومت یا مقننّہ سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیئے کہ وہ افراد کے ذاتی یا اندرونی خانگی معاملات میں دخل اندازی کرے۔ اور اس مقصد کے لئے کوئی قانون نافذ کرے۔ ہمارے گھروں کی عورتوں کو خدانخواستہ کوئی ایسا تکلیف دہ مسئلہ درپیش نہیں ہے جسکی وجہ سے وہ پریشان اور سراسیمہ ہوں۔ اور آزادئ نسواں کے پردہ میں خاوندوں کے لئے دردِ سر بنیں۔ ہمارے معاشرہ کا ہر خاوند (جیساکہ ہماری مشرقی تہذیب کا تقاضا ہے۔) اپنی بیوی کو حتی المقدور آرام و آسائش مہیا کرتا ہے۔ بشرطیکہ بیوی ہی خود کالی بھیڑ نہ ثابت ہو اور اپنی فطرت بد سے مجبور ہو کر تمام سہولیات میسر آنے کے باوجود شور و واویلا مچانے پر تلی رہے۔ پنجابی زبان میں کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

وِچوں وِچوں کھائی جا اُتوں رولا پائی جا

تبرکات : رئیس الحفاظ حضرۃ مولانا سید عبدالجمیل صاحب طوروی مرحوم

تحریر : جناب اسرار الرحمٰن صاحب ایم۔ اے

طورو کی خاک سے بڑے بڑے علماء، فضلاء اور ادیب اٹھے، جن کی وجہ سے یہ گاؤں ماضی میں تشنگانِ علمِ دین کا مرجع و ماویٰ رہا ہے۔ انہی علماء و فضلا میں ایک حضرت مولانا سید عبدالجمیل صاحب مرحوم تھے، جن کے فیوضات و برکات سے اقطار و اکناف ہند و افغانستان مستفیض ہوئے، آپ ۱۲۸۱ھ میں حافظ سید محمد حفیظ اللہ صاحب مرحوم و مغفور کے ہاں پیدا ہوئے، قرآن کریم حفظ کر لینے کے بعد فارسی نظم و نثر کی چند ابتدائی کتابیں پڑھ لیں۔ ۱۲۹۵ھ میں گاؤں سے نکل کر اپنے اردگرد تمام علاقے میں جہاں کہیں کسی نے استادِ کامل کا پتہ دیا آپ ان کے پاس پہنچے۔ اور اُن سے کسبِ فیض کیا۔ مولانا بحرالدین مرحوم (خویشگی) ملاّ قلندرؒ (موسیٰ زئی پشاور) مولوی جلال الدین مرحوم (دھوبیان)، مولوی امیر اللہ مرحوم (گڑھی کپورہ) ملاّ منصور علی صاحبؒ (چغرزئی کوہستان) مولوی فضل احمد مرحوم و مولوی نظر محمد مرحوم (گڑھی کپورہ) اور ملاّ محمود صاحب مرحوم مایار ہی مقیم بام خیل کے حلقہ ہائے درس میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا اور مختلف علوم و فنون سے حظ وافر حاصل فرمایا۔ شرح وقایہ جلد آخر۔ شاشی۔ فصول اور لطائف البیان وغیرہ جیسی کتابیں نہ صرف درساً پڑھ ڈالیں بلکہ ان کے متون حفظ کر لئے۔

حضرت شیخ عبدالحق صاحب المعروف بہ لالہ جی صاحب بام خیل آپ سے للہ محبت فرماتے تھے۔ آپ کو کئی دعائیں برائے حفظ و ترقی در قوت حافظہ اور وظائف ورد کرنے کو عنایت فرمائے تھے۔ انکی ہدایت پر آپ نے حضرت اخوند پنجو علیہ الرحمۃ کے مزار شریف میں موسم سرما کی راتوں میں گیارہ دن اعتکاف فرمایا، اور تمام بتلائے ہوئے شرائط پر عمل کرتے ہوئے اسباق کا ورد کیا اور پھر تا زیست اوراد مندوبہ کو جاری رکھا۔

مرحوم اپنی خود نوشت میں رقمطراز ہیں :

" تا حال کہ بست و پنج سال شدہ ناغہ نہ کردہ ام و تیر بہدف دیدم۔ الحق کہ اولیاء را ہست قدرت ازالہ۔ تیر برجستہ بگرداند از راہ۔"

حضرت شیخ عبدالحق مرحوم نوراللہ مرقدہٗ نے آپ سے فرمایا :

اے فرزند! شما فکر نکنید۔ شمارا علم اللہ تعالیٰ خواہد داد و محتاج کفاف نہ خواہی شد۔ ہر جا کہ باشی صدر باشی تحصیلِ علم بہر چیز مقدر دانید۔ واسباق را بلاناغہ خواندہ باشید و تکالیف خرچ ازیں بعد نہ خواہد بود"

حضرت مولانا مرحوم اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں :

"بخدا ازاں روز تکلیف تہدستی نہ دیدم"

علم اصول سے ۱۲۹۹ھ میں فارغ ہوئے رجسٹر علاقہ ہشتنگر کے لامع النور، مرجع الانام، صاحب طریقت قادریہ، یعنی حضرت مولانا حسن الدین مرحوم سیبویہ ثانی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے صرف نحو میں کامل استفادہ کیا۔ اس کے بعد صوابی، چھچھ ہزارہ، بفہ، زروبی، ایبٹ آباد، مانسہرہ اور ہر اس مقام پر قیام کیا جہاں علوم معقول کے اساتذہ موجود تھے۔

آپ علم کے موتیوں کی تلاش وجستجو میں در در کی خاک چھانتے رہے۔ ہر در پہ دستک دی۔ ہر شاخ ثمر دار تک ہاتھ پہنچانے کی سعی فرمائی، اور اپنے قلب و دماغ کا دامن علم و فن کے لعل وگہر سے بھرتے رہے۔

غربت وافلاس نے آپ کو ستایا، امراض مہلکہ نے آپ کو پریشان کیا۔ گرگانِ خونخوار نے بادیہ پیمائی کے دوران میں آپ کا حوصلہ دیکھا۔ سیلاب ایبٹ آباد نے آپ کو غرقاب کرنا چاہا، سفر نے سقر کی صورت اختیار کر لی۔ والدین سے دور ومہجور، لیکن دنیائے دنیہ سے نفور علم کی محبت میں سرشار ومسرور، آپ ہر جگہ اور ہر زمان متوکل علی اللہ رہے۔ اور علم کا شوق برابر بڑھتا رہا۔ اور علم وحدیث وتفسیر کے حصول کے لئے ہندوستان کی راہ لی، غربت آڑے آئی تو فرمایا : "امام شعرانی چہل سال ببرگ درختاں کفایت کردہ غذا نمودہ اند وتحصیل علم کردہ اند" وغیرہ نظائر سے اپنے والد بزرگوار اور اپنے نفس کو مطمئن فرمایا۔ آپ کے قصدِ سفرِ ہند سے مطلع ہو کر بہن بھائیوں نے تزوج کے دامِ گلرنگ میں آپ کو پھنسانے کی کوشش کی۔ بہن نے مخطوبہ کے بارے میں کہا : "هِيَ عَالِمَةٌ تَقِيَّةٌ بَارَّةٌ صَالِحَةٌ حَسِينَةٌ جَمِيلَةٌ لَانَظِيرَ لَهَا"

اس قسم کے الفاظ سے آپ کے جذبۂ شباب کو دعوتِ نکاح دی۔ لیکن آپ فرماتے ہیں :

"تجویز کردم ایں گل دگر از کدام طرف شگفت من درچہ خیالم وفلک درچہ خیال" قصہ مختصر ۲ شوال ۱۳۰۴ھ کو صبح سویرے خفیہ طور پر عازمِ ہندوستان ہوئے۔ لاہور میں مولوی عبداللہ ٹونکی سے ملے اور ان سے مشورہ کر کے علامہ لطف اللہ علی گڑھیؒ کے حضور میں حاضر ہوئے، فرماتے ہیں : "نظر کہ بچہرۂ ایشاں انداختم سراپا نور یافتم وگفتم کہ : "مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ۔" آگے لکھتے ہیں : "آں چہ مطلوب بود یافتم وآنچہ یافتم کہ بس وکافی است۔" آپ سے فارسی زبان میں تعارف ہوا۔ اور حلقۂ درس میں شمولیت کی اجازت مل گئی۔

تنگدستی نے اگرچہ آپ کا تعاقب کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ پر مہربانیاں فرمائیں اور بعض علم دوست اور خدا پرست حضرات کی عنایت سے مسائل حل ہونے لگے، اردو زبان سیکھ لی اور "ہر رمز الیشاں را نیک دانستم" یعنی قوم ہند کی معاشرت کے اطوار جان لئے، علامہ علی گڑھیؒ نے آپ پر خاص توجہ مبذول فرمائی، اور آپ پورے ذوق وشوق سے برابر پڑھتے رہے، خود تحریر فرماتے ہیں: "دریں سال مرا نشۂ علم بدماغم آنقدر درآمد کہ مرا با فلاک رسانید وہیچ تلخی وبے آرامی کہ برسرم گذشت معلوم نہ شد" خواب وخور سے بے نیاز اور عیش وراحت سے غافل، آپ ہر لحہ مائل بہ علم دین کامل تھے۔ اور بہ لسان قال عمر گذشتہ کی بازیابی کی آرزوئے ناتمام فرماتے کہ وہ لمحات بھی علی گڑھ کے آفتاب فلک علم وعمل کی ضوفشانیوں سے مستنیر ہونے میں گذر جاتے تو کس قدر خوش قسمتی ہوتی۔

القصہ آپ ۱۳۰۷ھ تک علامہ موصوف کی صحبت میں علوم منقول ومعقول سے فارغ ہوئے ۱۳۰۸ھ میں مولوی عبد السمیع مرحوم رامپوری کی دعوت اور فاضل استاد کے حکم پر مدرسہ معدن العلوم رامپور (سہارنپور) میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہو کر علی گڑھ سے رخصت ہوئے۔ رام پور جانے سے قبل علامہ لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے سند فراغت لکھ کر دے دی۔ پھر ان کی رسم دستاربندی ادا فرمائی آب زمزم اور خرمائے مدینہ پر درود پڑھ کر کھلایا پلایا۔ اس کے بعد اپنے سر مبارک سے پگڑی اتار کر مولانا عبد الجمیل صاحب مرحوم کے سر پر باندھ دی، ۱۳۰۸ھ میں آپ کو رخصت کیا اور یہ شعر ارشاد فرمایا:

سپردم بتو مایۂ خویش را　　تو دانی حساب کم وبیش را

اور آب دیدہ ہو کر مصافحہ کیا اور دعا فرمائی اور فرمایا ؎

بہ سفر رفتنت مبارک باد　　بہ سلامت روی و باز آئی

اور علامہ لطف اللہ مرحوم کے فرزندان ارجمند مولوی عنایت اللہ صاحب، مولوی محمد امانت اللہ صاحب اور مولوی سلامت اللہ صاحب سب برائے وداع حاضر ہوئے اس طرح طالب علمی کا دور ختم ہوا، اور اب مولانا عبد الجمیل مرحوم ایک عالم، فاضل مدرس کی حیثیت سے آسمان ہند پر چمکنے لگے۔

معدن العلوم کے بعد آپ مدرسہ لطیفیہ ویلور میں بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے وہاں ہر قسم کی معاشی اور روحانی آرام وراحت آپکو میسر تھی۔ قیام ویلور کے دوران میں آپ نے چند اوراق پر علم وادب کے موتی نچھاور کئے۔ جو آپ کے جواہر نگار قلم کی یادگار ہیں۔ ان قلمی تبرکات میں ان کی ناتمام خود نوشت (تذکرۂ جمیل) بزبان فارسی، تاریخ اقوام وملل کا ایک حصہ فارسی میں اور ایک چھوٹا سا رسالہ عربی زبان میں ہے۔

حضرت مولانا حافظ عبد الجمیل مرحوم چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں مدرسہ لطیفیہ ویلور میں بعہدہ

صدر مدرس سرفراز تھے اس وقت آپ کی عمر تیس سال سے زیادہ نہ تھی، عنفوان شباب میں اتنی بڑی علمی ذمہ داری کی قابلیت و استعداد اُن انفاسِ مقدسہ کی مرہونِ منت ہے، جو حضرت موصوف نے استاذ العلما حضرت علامہ لطف اللہ علی گڑھی کی محفل و مجلس میں بحیثیت تلمیذ رشید کے گذارے۔ اس عربی رسالے کا نام فاضل مصنف نے "مقاماتِ ویلوری" رکھا جو ۱۴۳ صفحات پر مشتمل ہے، جسطرح عربی علم ادب میں "مقاماتِ حریری" ایک نادر فن پارہ ہے، اس طرح "مقاماتِ ویلوری" بھی اپنی جلیل القدر اور رفیع الشان عبارت کی بدولت امتیازی شان لئے ہوئے ہے۔ کتاب ختم ہونے کے بعد ایک صفحہ پر فارسی عبارت میں صاحب کتاب تحریر فرماتے ہیں :

"ہنگامیکہ در بلدۂ ویلور علاقہ مدراس در مدرسہ لطیفیہ بانتصاب عہدۂ صدر مدرسی افادہ بطلبہ می دادم، کتاب مقاماتِ ویلوری زیر قلم رقم آوردہ ام خیال آنذارم کہ ایں کتاب در علم ادب بکار برادر زادگانم و خواہر زادگانم خواہد آمد۔"

اس کتاب میں ایک مقام پر ویلور کے پھولوں کا تذکرہ ہے، گویا رنگ برنگے دیدہ زیب اور خوشنما پھولوں کا ایک گلدستہ طالبانِ علم ادب کے ذوقِ جمال کے اطمینان و تسکین کی خاطر تیار فرمایا ہے جس سے اگر ایک طرف فاضل مصنف کے مشاہدۂ فطرت کا راز کھلتا ہے تو دوسری طرف شعر و ادب کے طلبگاروں کے لئے میدانِ مطالعہ میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

انہوں نے ہر ہندی نام کو معمولی تصرف کے ساتھ عربی بنا دیا ہے۔ اور پھر اس کے وصف میں جنت کے پھولوں کی مہک میں ڈوبے ہوئے الفاظ کی مالا تیار کی ہے۔ نثر کے موتی لٹانے کے بعد ہر پھول کی مدح میں دو دو شعر کہہ دیتے ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم بنیادی پر علم منطق، فلسفہ، فقہ، تفسیر اور حدیث کے استاد تھے۔ لیکن ہمہ صفت شخصیتوں کا خاصہ ہے کہ وہ علم و فن کے ہر میدان میں دوسروں سے گوئے سبقت لے جانے کا ہنر جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم نے علم کے جس شعبے کی طرف بھی توجہ فرمائی اللہ کریم نے اُن کے سامنے تمام طریقے کھول دئے۔ پھر عربی زبان کے اسرار و رموز سے باخبر ہونا تو ہر طالب علم دین کے لئے اشد ضروری ہے اور مولانا مرحوم قرآن و حدیث کے مشتاقانِ جمال میں سے ایک تھے۔ خود ہی ایک جگہ خدا تعالیٰ کے حضور میں دست بدعا ہیں :

"خداوندا! عشقِ من کہ بقرآن و حدیث دارم مثمر فرما کہ شب و روز تائی ہر دو شوم"

قرآن و حدیث کی محبت نے اُن کو عربی زبان و ادب کا پرستار بنا دیا تھا اور اُن کے لئے صرف، نحو اور فصاحت و

بلاغت کی وادیوں کا سفر آسان کر دیا تھا، انہوں نے جمعہ ۲۷ جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۱ھ کو "مقامات ویلوری" پر مہر ثبت فرمائی جبکہ آپ کی عمر تیس سال سے متجاوز نہ تھی۔

کتاب چونکہ زیورِ طبع سے آراستہ نہیں اس لئے عاشقانِ حسنِ بیان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ بہر حال میں تہی دامن ہوں لیکن اتنا کوتاہ دست نہیں ہوں کہ علم ادب کے یہ نسرین و نسترن ہم صفیرانِ چمن سے چھپائے رکھوں گا۔ دعوت عام ہے، آئیے اور اپنی پسند کا پھول چن کر زیبِ گلو و دستار کیجئے۔

حضرت مولانا مرحوم رقمطراز ہیں :

واما الازهارُ الكائنة فی جمیع الاقالیم فاکثرها یوجد فی هذا البلد الکریم والازاهیرُ المخصوصة بالهند عطّر الله فی اکنافها بریا الرند کثیرة شهیرة وذکرنا منها فی هذه المقامیه یسیرة وجعلنا اسماءها الهندیة بالتغیر القلیل عربیةً

★- السیوتی — وما ادراك ما السیوتی بلوریّ اللّون ماسیه ووردی الارج آسیّه نوره نور العیون ونشره لیطوی الشجون ویروح القلب المحزون ونظمتُ فی مدحه هذا الدّر المکنون ؎

لا تنس حسن السیوتی لما حکی ۔۔۔ زهر الکواکب زهرة النوار

کان روضة قباب زبرجد ۔۔۔ فیها الشموع الزاهرات نثار

★- الصنبلی :— وما ادرىك ما الصنبلی تصور النسیم بصورة هذا النور البسیم وتشکل عرف الحور بشکل هذا الزهر الکریم وکاد بلطافته ان یشابه خیالاً وبطراوته ان یستحیل زلالا ودهنه یزری بدهن الورد والیاسمین ویزدری بنوافح طیبات الصین، واذا استعملته غزلان الهند المحور تخالط من غبطتها ادمغة الحور ودهش کان علی رؤسهن الطیور ونظمی فی وصفه کالورد الممطور- شعر :-

یا مغرما بالروض لح صنبلیا ۔۔۔ ان کنت ریحان الزهور تروم

یزهو بنضرته کان عرلیشه ۔۔۔ فلک علیه من النجوم هجوم

★- الموقرا :— وما ادراك ما الموقرا- نور نورانی مقرون بها التهانی تضیف به السرور مفروق عنه الشرور البرجس معتل لدیه والورد مهموز بالنسبة الیه وجیب الشفیق مشقوق من حسن بهجته قلبه مکوی من نیران غبطته وقلت انا فی صفته شعر :-

انظر الی الموقرا فی حسن بهجته ۔۔۔ تغنیک طلعته عن کل ازهار

کانه لولو فی زخرف خضر ۔۔۔ اوانه ورق فی سطح زنجبار

★- الصبا :- وماادراک ما الصبا نور ارق من زمن الصبا واروح من روح الصبا البديع جماله الفقید مثاله یحکی النوف العواتق ویربو علی النضار الغائق - یزهو فی شجرته العلیا کالمشتری فی القبة الخضرا وانا اثنیت علیه بهذ الثناء شعر :-

ایا سائلا عن زهر صبا فانه | عذار یجه روحا و روحا لناشق
تلاقی به حسن و عشق کلاهما | له نضرة المعشوق فی لون عاشق

★- الملسری :- الملسری وماادراک ما الملسری زهر سری ونور سنی طیّب الارج ومطیّب المهج الغریب الشکل العدیم المثل ریحه ارواح الروایح وطیبه اطیب الفوایح یجف زهره البسام ویبقی نشره الی الایام والشدت فی وصفه اداء الحق عرفه شعر -

تبدی الملسریّ علی غصون | ومنظره بدیع فی العیان
یشابه بالله لی نسجت فی | دبابیج مخضرة حسان

★- الربوق — وماادراک ما الربوق له عبق ازکی من المسک الفتیق یبلج منه الانوار و یخرج منه الانوار رائق جماله وفائق تمثله یضاهی لونه الماس ویباهی زهره علی الآس و الشات فی تناله تقضاعن حق بهائه - شعر -

شجرة یاحسن زهرها زاد الرّیاض بها حسنا اذا ابتهجت
کانما خودة تختال فی حُلَلٍ محضرة بعلوق الماس قد نسجت

★- الکیورج — وماادراک ما الکیورج الرّائع ارجد الساطع یجه سواعد الحسان و یماثل اصابع الغزلان کانه خنجر مسلول یذب الخرایف عن الرّوض المشمول یذکو عبیقه بعد الجفاف ویعجز عن اطرائه لسان الواصف وانا الواصف له بهذه الاوصاف - شعر

لا یستطیع لسانی وصف کیورج | فاق الازاهیر فی حسن وفی ارج
یقول للزهر اعجابا بزهرته | انی لکم شوکتی انی لذو درج

□□

جدید زبانوں کے عربی مآخذ

جناب مصنطر عباسی، ایم اے۔ مری

غیر حاضر ———— غیر حاضر۔ غیر موجود یا غائب، سب عربی کلمات ہیں۔ اہل یورپ اس مفہوم کے لیے انگریزی میں (ABSENT) فرانسیسی میں (ABSENT) ہسپانوی میں (AUSENTE) پرتگالی میں (AUSENTE) رومانین (رومانیہ کی زبان) میں (ABSENT) جرمن میں (ABWESEND) اور یہودیوں کی زبان یدیش (YIDDISH) میں (OBVESEND) کے کلمات استعمال کرتے ہیں۔ یورپ کے علمائے لسانیات نے اس لفظ کی تحقیق اور ماخذ کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ لفظ لاطینی کے کلمہ SUN سے ماخوذ ہے۔ SUN (سون) کے معنی ہیں موجود ہونا اور شروع میں AB سابقہ ہے جس کے معنی ہیں دور۔ یا نہیں۔ پہلی صورت میں (ABSENT) کے معنی ہیں قریب اور موقع پر نہیں بلکہ دور اور بعید کے مقام پر موجود ہونا۔ یہی وجہ ہے کہ رسپرانٹو والوں نے غیر حاضر یا (ABSENT) کے لیے جو لفظ تجویز کیا ہے وہ مرکب ہے FOR اور ESTA سے FOR کے معنی ہیں دور۔ بعید۔ پرے اور ESTA کے معنی ہیں موجود یا ہونا۔ جس سے انگریزی کا IS فرانسیسی E وغیرہ زبانوں کا ESTE اور ESTUS اور فارسی کا "است" ماخوذ ہے۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی ABSENT کی کہ اس کے شروع میں AB سابقہ ہے جس کے معنی ہیں دور (AWAY) اور آخر میں T یا TE زائد ہے۔ اصل مادہ SEN ہے جو لاطینی کے SUN سے لیا گیا ہے۔ اور SUN عربی میں صَان۔ یصون۔ کی صورت ملتا ہے جس کے معنی ہیں حفاظت کرنا۔ بچانا یا محفوظ رکھنا۔ مصئون۔ بچایا ہوا۔ حفاظت کیا ہوا ہمارے ہاں اردو میں بھی مستعمل ہے۔ عربی زبان میں انگریزی کے ABSENT اور عربی کے غائب کا مترادف NEDAR جو عربی کے نادر اور ندرۃ سے ماخوذ ہیں جس کے معنی ہیں کمیاب۔ نایاب۔ اجنبی۔ غیر اور ہمارے ہاں بھی نادر انہیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

نوٹ:- YIDDISH جسے ہم نے یہودی زبان کا نام دیا ہے۔ یہ مغربی جرمنی کی ایک بولی ہے جو عہد وسطیٰ (MIDDLE AGE) یعنی ۱۰۰۰ء تا ۱۵۰۰ء کے درمیانی زمانے میں جرمنی سے ہجرت کرنے والے یہودی اپنے ساتھ پولینڈ اور بلقان کی ریاستوں میں لے گئے تھے چونکہ یہودیوں

کی اصل زبان عبرانی تھی اور عبرانی عربی کی ہی ایک شاخ یا مسخ شدہ صورت ہے۔ اس طرح یہودیوں کی اس زبان " یدش " (YIDDISH) میں عبرانی کی معرفت بے شمار عربی کلمات داخل ہو گئے ہیں۔

ایلومینیم ــــ (ALUMINUM) ایک چمکدار دھات ہے جس سے برتن بنائے جاتے ہیں۔ یورپ کی دو درجن کے قریب زبانوں میں اس دھات کا یہی نام ہے۔ ایرانتو، روسی حتیٰ کہ جدید عربی میں بھی اس کا یہی نام ہے۔ البتہ اقوام کے لہجوں اور رسم الخط میں روایتی فرق کے باعث لفظ کی کہیں کہیں صورت بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔

فرانسیسی، جرمن، ڈچ، سویڈش، نارویجن، پولش۔ زیچ، ہنگرین اور انڈونیشائی زبانوں میں اس کی املا (ALUMINIUM) ہے۔ یدش اور جدید عربی میں اس کے آخری رکن YUM اور YOUM ہے۔ جاپانی لوگوں کو " L " (ل) سے نفرت ہے وہ ہمیشہ " L " (ل) کو " ر " (R) سے بدل دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے ہاں یہ لفظ ARUMINJUUMU ہے۔ ان تمام کلمات کے آخر میں IUM یا UM زائد ہے جیسا کہ ہسپانوی، اطالوی اور رومانیہ کی زبانوں میں اس لفظ کی املا سے ظاہر ہے۔ ہسپانوی میں یہ لفظ ALUMINIO پرتگالی میں ALUMINIO رومانیہ کی زبان میں ALLUMINIO ہے اور یہی اطالوی زبان کا لفظ اصل ماخذ اور مادے (ROOT) کے زیادہ قریب ہے۔ اس کے شروع میں AL عربی کا " ال " ہے اور LUMIN لمع اور لمعان کی نقل ہے۔ رہا آخر میں IO یا IU سو یہ ان زبانوں میں اسم کی علامت کے طور پر استعمال ہونے والا لاحقہ ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ عربی کے اس کلمہ لمع اور لمعان کے معنیٰ چمکنے یا چمکدار کے ہیں اور ملمع جس سے ہمارے ہاں " ملمع کاری " کی ترکیب مستعمل ہے اسی چمکانے کے معنوں میں رائج ہے۔

اہل یورپ اس لفظ کی ماخذ کی تلاش میں ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں انہیں اس بات کا خیال نہیں آیا کہ ALUMINUM کے شروع میں " L " ل ایک نہیں بلکہ دو ہیں جیسا کہ اطالوی زبان کے ALLMINIO سے ظاہر ہے پہلا " L " " A " سے ملکر AL (ال) عربی زبان کا مخصوص کلمہ تعریف کی نشاندہی کرتا ہے اور دوسرا " L " لمع کا " ف " کلمہ ہے۔ اس قسم کی غلطی ان لوگوں سے ORANGE (نارنگی) کے سلسلہ میں ہو چکی ہے۔ اورنج دراصل " N " (ن) کے ساتھ NORANGE (نورنج) تھا جو ہمارے ہاں اُردو میں نارنگ اور نارنگی ہے۔ اور یورپ والوں نے جب " ایک نارنگی " یا " کوئی نارنگی " کا مفہوم پیدا کرنا چاہا تو پہلے A NORANGE کہا اور

پھر خود ہی فرض کر لیا کہ NORANGE کے شروع کا " N " (ن) دراصل " A "، کلمہ تنکیر کا حصہ AN ہے اور اس طرح NORANGE کا سرا کاٹ کر A کا دم بنا دیا اور ORANGE کو سر بریدہ کر کے مستقل کلمے کی صورت دے دی۔ دیکھا آپ نے زبان کے بارے میں ذراسی بے احتیاطی کیا گل کھلاتی ہے اور کس کس طرح کلمات کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ ہماری نارنگی اور اہل یورپ کی ORANGE دراصل ایک ہی کلمہ ہے۔

نارنگی —— اوپر ALUMINUM پر گفتگو کے دوران ORANGE یا NORANGE کا کلمہ ضمنی طور پر زیر بحث آ گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی قدر تفصیل سے بات چیت ہو جائے سو عرض ہے کہ نارنگی کے لیے یورپ والوں کے پاس مختلف کلمات ہیں مثلاً انگریزی ORANGE فرانسیسی ORANGE اطالوی ORANCIA پرتگالی LARANIA اور اسپرانتو بولنے والے ORANĜO کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جاپان جو یورپ سے بہت دور واقع ہے یہاں کے لوگ غالباً انگریزوں سے سیکھ کر ORENJI کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

یہ لوگ جو نارنگی کو ORANGE (اورنج) یا LARANJA (لارنجا) وغیرہ کے کلمات سے پکارتے ہیں ان کا خیال ہے کہ انہوں نے یہ لفظ لاطینی زبان کے کلمہ AARUM سے لیا ہے جس کے معنی ہیں زر (سونا) GOLD چونکہ نارنگی کا رنگ سونے (زر) کی طرح کسی قدر پیلا ہوتا ہے اس لیے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔ ہم عرض کریں گے کہ آپ نارنگی کو بجائے سونے (زر) سے ماخوذ ماننے کے "عرج" یعنی ڈوبے ہوئے سورج سے ماخوذ کیوں نہ مان لیں۔ کیونکہ سورج ڈوبتے وقت بالکل نارنگی کی طرح سرخی مائل اور زرد رنگ کا ہو جاتا ہے اور یوں نظر آتا ہے کہ مغرب میں افق کے کنارے نارنگی یا ORANGE کا دانہ لٹک رہا ہے۔ عربی میں "عرج" کے معنی ہیں آفتاب کا غروب ہونا۔

دوسرے لوگ نارنگی کو (NORANGE) نارنگ یا " نارنج " کہتے ہیں۔ مثلاً ہسپانوی زبان میں (NARANJA) ہے اسی طرح ہنگری والے (NARANCS) بولتے ہیں۔ ان لوگوں کی تحقیق یہ ہے کہ ہم نے یہ لفظ عربی کے " نرنج " سے لیا ہے۔

رومانیہ اور ترکی والے نارنگی کو PORTOCALA اور PORTAKAL (پورتکال) لکھتے اور پڑھتے ہیں اسی طرح یونانی (GREEK) میں نارنگی کے لیے PORTOKALI کا لفظ مستعمل ہے ان لوگوں کو اعتراف ہے کہ ہم نے یہ لفظ عربی کے برتقال سے لیا ہے جس کی رومی شکل و

صورت BOURTOUQAL ہے۔

یاد رہے کہ نارنگی کو NORANGE (نورنج) یا NARANJ کہنے والوں نے خود ہی اعتراف کیا ہے کہ ہمارے اس لفظ کا ماخذ عربی کا "نرنج" ہے اور اسی طرح PORTOCALA یا PORTOKALL بولنے والوں نے اسکا عربی کا ماخذ "برتقال" تسلیم کیا ہے۔ بعض نے نارنگی کو "نارو سے" ملک کی طرف اور "برتقال" کو "پرتگال" ملک کی طرف منسوب کیا ہے۔

سونا —— سونا (ذر) جسے انگریزی میں GOLD اور فرانسیسی میں OR کہتے ہیں۔ اس کے لیے ہسپانوی میں ORO اطالوی میں ORO پرتگالی میں OURO رومانوی میں AUR اور اسپرانتو میں ORO ہے۔ اہلِ یورپ نے اسے لاطینی زبان کے AURUM سے ماخوذ مانا ہے۔ ہمیں ان کی رائے یا تحقیق سے قطعاً اختلاف نہیں۔ صرف اس قدر عرض کریں گے کہ لاطینی تک پہنچ کر ٹھہر نہ جائیں۔ ایک قدم اور آگے چلیں۔ عربی میں "عَیر" کا لفظ ہے جس سے عیار اور معیار ماخوذ ہے۔ اس کے معنی اندازہ کرنے اور قیمت مقرر کرنے کے ہیں اور کون نہیں جانتا کہ سونا آج بھی دُنیا میں اشیاء کی قیمتوں کا "عیر" (معیار) ہے۔ ویسے عربی میں سونے کے لیے "ذہب" کا لفظ ہے جس سے عبرانی میں ZAHAV (ذاہاو) اور سواحلی زبان میں DHAHAB (ذاھاب) کے کلمات لیے گئے ہیں۔

باقی رہا انگریزی کا GOLD جرمن کا GOLD ڈچ کا GOUD سویڈش کا GULD ڈنیش کا GULD پولش اور زیچ کا ZLOTO فنش کا KULTO یہودیوں کی یدیش کا GOLD اور گاتھک کا GULTH تو سو ان کلمات کے بارے میں جدید تحقیق یہ ہے کہ یہ سب کلمات GILT سے لیے گئے ہیں جس کے معنی چمک کے اور رونق کے ہیں اور جب GILT کی تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ وہ چمک ہے جو کسی برتن زیور یا ہتھیار وغیرہ پہ ایک تہہ کی شکل میں چڑھائی جاتی ہے گویا عربی کی "جلد" ہے جو بدن پر چڑھا کر اسے بارونق اور دیدہ زیب بنالیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہ تمام کلمات عربی کے کلمہ "جلد" سے ماخوذ و مشتق ہیں۔ ان میں G کی آواز "ج" کی ہے۔ خود اہلِ یورپ نے GILT اور GILD کو ہم معنی اور ہم ماخذ تسلیم کیا ہے۔ اور GILD کے معنی کئے ہیں کسی چیز پر کسی دوسری چیز (خاص کر سونے وغیرہ کی تہہ چڑھانا اور یہی مفہوم ہے عربی میں "جلد" کا۔ (جاری ہے)

قارئین

جرمن مستشرق خاتون اور تصوف جرمن سکالر خاتون ڈاکٹر مسز شمل غالباً ۱۵ سال سے بھی زیادہ عرصہ سے حکومت پاکستان ان کو اقبال ڈے پر بلواتی ہے۔ اور مکالمے پڑھتی ہیں کل رات (۱۴ نومبر) کو ٹی وی پر ان کا انٹرویو اسلامی تصوف پر نشر کیا گیا اور کہا گیا کہ مسز شمل نے اس سال اسلامک اسٹڈی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ہے۔ اور خاصکر مثنوی مولانا رومؒ پر خاص سٹڈی کی ہے۔ یہ انٹرویو ایک گھنٹہ کا تھا۔ معلوم نہیں کہ انٹرویو میں تصوف کی صحیح ترجمانی کی گئی یا غیر مسلم مستشرقین نے طرح تصوف کی سچائی سے پہلو تہی کر کے اسے غلط انداز میں پیش کیا گیا اسلامیات اور تصوف پر دسترس رکھنے والے حضرات اس انٹرویو کا ترجمہ حاصل کر کے اس کا تنقیدی جائزہ لیں تو بہتر ہوگا۔

(عصمت آراء، رحمان بابا روڈ، پشاور)

ذکری مذہب کا تعاقب الحق تعاقب مذہب ذکری کردہ این یک احسان عظیم بر اہل سنت والجماعۃ بلوچ است کہ قبلاً اطلاع بہ مذہب ذکری نداشت واگر ہم چناں تعاقب مذہب بہائیت جاری بود احسان بزرگ تر بر اہالی ایران خواہد

(احمد اللہ تقرتی، سراوان، ایران)

معلمین اسلامیات اور قراء سے ناانصافی صرف سرحد میں سکولوں میں اسلامیات اور قراء کا تعین کیا گیا ہے۔ مگر یہ حکومت کی ناانصافی کے شکار ہیں۔ ابتداءً انہیں ایس، وی، او، ٹی کا سکیل دیا گیا۔ پھر اس ایس، وی، او، ٹی کو آٹھواں گریڈ دیا گیا مگر معلمین اسلامیات اور قراء کو یکسر فراموش کر دیا گیا جبکہ یہ لوگ اپنے فن کے ماہر ہوتے ہیں انہیں اگر اہم مضامین کے ٹیچر کا گریڈ نہیں دیا جاتا تو آٹھویں گریڈ سے بھی مستثنیٰ قرار دینا اسلام اور علوم دینیہ کی سراسر ناقدر شناسی ہے۔

(عبدالرشید قریشی داتہ ضلع ہزارہ)

برطانیہ میں نیا ربوہ قادیانیوں نے برطانیہ کے ہڈرسفیلڈ میں دو لاکھ روپیہ سے جگہ خریدی ہے ایک بڑا پریس لگانے کا ارادہ ہے اور مبلغ تیار کرنا ہے۔ انگریزی اخبار ڈیلی ایگزیمنر ہڈرسفیلڈ میں قادیانی امت کا سارا پروگرام شائع ہوا ہے، لندن میں مقیم ظفر اللہ خان مسلمانوں کے خلاف ہر حربہ استعمال کرتا ہے۔ بظاہر قادیانی

اس مقام کو نیا ربوہ بنانا چاہتے ہیں کہ کبھی پاکستان سے منتقل ہونا پڑا تو یہاں مرکز موجود ہو مسلمانوں کو ان سرگرمیوں پہ کڑی نگاہ رکھنی چاہیئے۔ (راؤ شمشیر علی خان ہڈرسفیلڈ۔ برطانیہ)

عقیدۂ ختم نبوت سے سراسر بغاوت | عوام نے ختم نبوت کے مسئلہ پر عظیم قربانیاں دیکر قومی اسمبلی سے ۷ستمبر ۱۹۷۴ء کا عظیم فیصلہ کروایا تھا۔ افسوس کہ اب اس پر پانی پھرتا جا رہا ہے۔ اوّل تو امسال اس مسئلہ پر ۷ستمبر کو بالکل سرد مہری رہی۔ دوسرے شیعہ رسالہ "پیام عمل" لاہور (ماہ ستمبر ۷۶ ۱۹ء) نے اعلان کرنا شروع کر دیا ہے "کہ ولایت کا درجہ برتر اور افضل ہے۔ ختم نبوت کے بعد آیت ما ننسخ ..... کے ماتحت اب "نبی" تو کوئی نہیں آسکتا ہے۔ جو ایسا عقیدہ رکھے۔ وہ کافر ہے لیکن "نبی" سے افضل اور برتر وجود حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی صورت میں جلوہ گر ہو چکا ہے۔ جو درجۂ ولایت کے حامل ہیں۔ اور درجۂ ولایت، درجۂ نبوت سے افضل و برتر ہے ـــــ اگر اس قسم کے نظریات پھیلنے لگے، تو "تحریکِ ختم نبوت" انتہائی طور پر ناکام ہو جائے گی۔

(پروفیسر عبدالرشید رازی سمن آباد۔ لاہور)

ذکریوں کا قبولِ اسلام | جمعیۃ علماء اسلام کراچی کے امیر حاجی دل مراد بلوچ کے دست مبارک پر ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو سات ذکری مذہب کے پیروکاروں نے اسلام قبول کیا، اور اپنے سابقہ بے بنیاد مذہب سے بیزاری کا اعلان کیا۔ اس موقع پر انہوں نے ذکری مذہب کے حقیقی اور پُر اسرار عقائد کا بھی انکشاف کیا۔ اس مجلس میں جمعیۃ سندھ کے رہنما علامہ محمد عثمان انوری بھی موجود تھے۔ اسلام قبول کرنے والوں کے سربراہ صالح محمد اور ملا محمد موسیٰ نے یہ بھی بتایا کہ ہم سب مع اہل خاندان مسلمان ہوئے ہیں۔

(حافظ محمد مراد۔ ناظم نشریات)

ذکری فرقہ اور ہمارا فریضہ | واضح رہے کہ بلوچ قوم میں ایک فرقہ بنام ذکری موجود ہے۔ جو اپنے عقائد قبیحہ اور اعمالِ شنیعہ کے لحاظ سے مرزائیوں سے بھی بدتر ہیں۔ آج سے کئی سال پیشتر علاقہ مکران میں "مراد" نامی ایک شخص نے اپنی ماں اور ہمشیرہ کے ساتھ منہ کالا کیا اور نبوت کا دعویٰ کر اٹھا، اور چند شعبدے دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا، ان بدبختوں نے اس مردود کی آواز پر لبیک کہہ کر اس کو نبی تسلیم کر لیا اور اپنے لئے الگ کلمہ ایجاد کیا، جو اس طرح ہے: "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نور پاک مہدی رسول اللہ۔" اور ان کی مذہبی کتاب کا نام "برہان" ہے جس کو قرآن مجید سے افضل سمجھتے ہیں ـــــ یہ شور بخت فرقہ خدا تعالیٰ کی عظمت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، قرآن کریم کی فضیلت، نماز روزہ، حج و زکوٰۃ کی فرضیت اور شعائر اللہ کی حرمت و اہمیت کی توہین کر کے دل بہلاتے ہیں اور اپنی مجالس میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کرتے اور آپ کی سنتوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ نمازیوں کو کین ٹول (تہ چھپے چوتڑ والے) روزہ داروں کو مشرک

جیسے شرمناک لفظوں سے پکارتے ہیں۔ جن احکامات خداوندی کا ثبوت قرآن کریم ہے، یہ رسوائے زمانہ اُن احکامات کا صریح انکار کرکے مضحکہ اڑاتے ہیں اور حج بیت اللہ کے مقابلہ میں علاقہ تربت (مکران) میں ایک پہاڑ "کوہ مراد" کو بیت اللہ اور ایک چشمہ کو آب زمزم کا درجہ دے رکھا ہے۔ مذکورہ پہاڑی پہ مادر زاد ننگے ہو کر طواف کرکے اپنے زانی نبی کی سنت کو تازہ کرتے ہیں۔ اور خرمستیاں کرکے اپنے آپ کو پکا مسلمان اور امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو کافر گردانتے ہیں۔ مزید ایک حیا سوز حرکت ان میں یہ بھی ہے کہ شادی کی پہلی رات دلہن کو اپنے شیخ (مذہبی پیشوا) کی خدمت میں نذر کرتے ہیں ؎ بریں عقل و ہمت بباید گریست ——— اس گمراہ فرقہ کو دعوت اسلام دینا ورنہ اس کا تعاقب و استیصال کرنا تقاضائے ایمان ہے۔

(الحاج مولوی دلمراد بلوچ صدر فدایان تحفظ ختم نبوت کراچی)

محرم اور سنی سواد اعظم کی دلآزاری محرم الحرام میں امن و امان کی بحالی کے لئے یہ ضروری ہے کہ سواد اعظم اہل سنت والجماعت کے جذبات و احساسات کا پوری طرح خیال اور ان کے حقوق کا بھی تحفظ کیا جائے۔ محرم کی ابتداء ہی امام عدل و حریت خلیفہ راشد ثانی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے ہوتی ہے۔ شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی اہل سنت والجماعت کو پوری طرح محبت و عقیدت ہے۔ بجا طور پر شہید مدینہ حضرت فاروق اعظم اور شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہما و دیگر شہداء اسلام کی یاد میں جلسہ ہائے عقیدت کا انعقاد اہل سنت برادری اپنا فریضہ سمجھتی ہے۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ محرم الحرام میں اہل سنت والجماعت کو لاؤڈ سپیکر کے استعمال کی اجازت نہیں ملتی۔؟ جبکہ دوسروں کو مکمل آزادی ہوتی ہے۔ اور ان کے مخصوص عقائد کی تبلیغ اور ریڈیو ٹی وی پر اُن کی کلی دسترس ہوتی ہے۔؟ بے علم ذاکرین گروہی عصبیت کے پرچارک غلط بیانی کرتے ہیں۔؟ آل رسول کو میدان کربلا میں سر برہنہ ہو کر بے صبری کے ساتھ چیخ و پکار کے بے سروپا واقعات دوہڑے قصیدوں کی شکل میں پیش کئے جاتے ہیں۔؟ اہل سنت والجماعت اپنی واضح اکثریت کے باوجود ملک میں امن و امان اور ملکی استحکام و سلامتی کے پیش نظر اس زیادتی کو برداشت کرتے چلے آرہے ہیں ——— ؟ مگر اس متعصبانہ روش سے جو ردعمل ریڈیو ٹی وی کے سامعین و ناظرین میں پیدا ہو رہا ہے وہ فوری طور پر قابل توجہ ہے۔ کیا یہ ابلاغ عامہ کے یہ اہم ترین ادارے چند لوگوں کی گرفت میں آگئے ہیں جو تعصب کی آگ بھڑکا کر ملک و ملت کا مستقبل تلخ کر رہے ہیں۔؟

اس صورت حال کے پیش نظر اہل سنت والجماعت میں طبعی اضطراب اور احساس محرومی کا پیدا ہونا قدرتی بات ہے۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ :-

۱۔ ریڈیو ٹی، وی سے عصبیت پر مبنی پروگرام پہ پابندی عائد کر دی جائے۔

۲۔ محرم الحرام میں اہل سنّت والجماعت کو واضح اکثریت کی بنیاد پہ قومی ذرائع ابلاغ میں نمائندگی دی جائے۔
۳۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ایام کو پوری اہمیت کے ساتھ سرکاری سطح پہ منایا جائے اور ان ایام میں سرکاری تعطیل کی جائے جیسے دس محرم کو کی جاتی ہے۔
۴۔ محرم الحرام میں اہل سنّت والجماعت کے مذہبی اجتماعات کو وہی آزادی دی جائے جو دوسروں کو ہوتی ہے۔ (مولانا غلام مصطفیٰ رحمانی مجلس تحفظ حقوق اہل سنّت ملتان)

مولانا خانیم اللہ | مولانا خانیم اللہ صاحب گاؤں کلیانی علاقہ بونیر ۱۳ر دسمبر ۷۶ء ۱۹ر کو وفات پا گئے آپ ۲۵ سال تک والئ سوات کے زمانہ میں قاضی القضاۃ تھے۔ مولانا عبدالغفور عباسی مدنی رحمہ اللہ کے خاص مرید تھے۔ آپ کے دو فرزند ہیں جن میں مولوی شمس العارفین آج کل ابوظہبی میں ہے۔ قارئین سے دعاء کی درخواست ہے۔ (فضل الرحمان مٹوانی، بونیر)

مولانا مفتی محمد حلیم صاحب رحمہ اللہ | ۱۰ر دسمبر ۷۶ء ۱۹ر کو بنوں کے مشہور عالم مفتی و مدرس شیخ الحدیث مولانا مفتی حلیم صاحب ۷۰ سال کی عمر میں وفات پا گئے، ابتدائی تعلیم آپ نے موضع مغل خیل کے ملا پیر زادہ سے حاصل کی پھر مراد آباد کے مدرسہ شاہی سے ۱۹۳۳ء میں فارغ التحصیل ہو کر وہیں مدرس مقرر ہوئے ۱۹۴۵ء میں وطن آئے تو اپنے گاؤں میں مدرسہ شمس العلوم کی بنیاد رکھی پھر مدرسہ معراج العلوم بنوں میں شیخ الحدیث اور مفتی کے طور پہ کام کرتے رہے۔ اور بنوں کی مسجد جعفر خان میں حدیث قرآن کا درس بھی دیتے رہے، آپ کے تلامذہ میں ہزاروں علماء شامل ہیں۔ نماز جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی اپنے آبائی گاؤں میں سپرد خاک کئے گئے۔ (قاری حضرت گل بنوں)

شیخ الاسلام مدنی رحمہ اللہ پر اشاعتی کام | حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی ہمہ گیر مجاہدانہ زندگی متقاضی ہے کہ آپ کی علمی، سیاسی، روحانی زندگی کے ہر گوشہ پر کام کیا جائے ہمارے پروگرام میں حضرت کی ایک جامع اور مستند سوانح حیات کی تکمیل بھی ہے۔ اس لئے اگر کسی کے پاس کوئی غیر مطبوعہ تحریر یا معلومات کا ذخیرہ ہو تو رابطہ قائم فرمائیں۔ تاکہ استفادہ کیا جا سکے ایسے خطوط پر "بسلسلہ سوانح" ضرور لکھیں۔
(محمد حبیب صدیقی، مکتبہ دینیہ دیوبند انڈیا)

الحق کا ایک اہم سلسلہ | الحق میں "میری علمی اور مطالعاتی زندگی" کے عنوان سے ایک مفید اور معلومات افزا سلسلہ جاری تھا، اسے دوبارہ جاری کرنا چاہیئے۔
(الطاف احمد قریشی تلمیذ خانیوال ملتان)

الحق ارباب علم و فکر کو اس موضوع پر اپنے تاثرات قلمبند کر کے ارسال کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

مؤتمر المصنّفین کی ایک اور پیشکش

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی سرگرمیاں

؎ صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم ‏ کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب ‏(اقبالؒ)

قومی اسمبلی میں جمہوری قومی و ملّی مسائل پر قرار دادیں مباحثات۔ پارلیمنٹ میں موجودہ سیاسی پارٹیوں کا موقف، حزبِ اختلاف اور حزبِ اقتدار کا اسلامی و ملّی مسائل کے بارہ میں روّیہ، شیخ الحدیث کی تقاریر، اور ان کی قرار دادوں پر ارکانِ اسمبلی کا ردِّ عمل ـــــ آئین کو اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد پر کیا گذری، تحاریکِ التواء، سوالات اور جوابات، مسوّدہ دستور میں ترمیمات اور تشریحی تقریریں۔

★ سیاستدانوں کے منشور اور انتخابی وعدے کردار کی کسوٹی پر۔

★ ایک اہم سیاسی دستاویز۔

★ ایک آئینہ اور ایک اعمالنامہ

★ ایک ایسی رپورٹ جو اسمبلی کے شائع کردہ سرکاری رپورٹ کے حوالوں سے بھی مستند ہے۔

★ پاکستان کے مرحلہ آئین سازی کی ایک تاریخی داستان اور ایک ایسی کتاب جس سے وکلاء، سیاستدان بھی اور اسلامی سیاست میں منہمک افراد و جماعتیں بھی بے نیاز نہیں ہوسکتیں۔

★ ایک ایسی کتاب جو جہادِ حق اور غلبۂ اسلام کے علمبردار علماء کیلئے حجت و برہان بھی ہے۔ اور مستقبل میں اسلامی جدوجہد میں رہنما بھی ـــ کتاب شائع ہوچکی ہے اور ترسیل جاری ہے۔

عمدہ کتابت و طباعت حسین سرورق، قیمت پندرہ روپے۔ صفحات ۸۰۰

مؤتمر المصنّفین اکوڑہ خٹک (پشاور)

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

مؤتمر المصنفین کی پہلی پیش کش
دعوات حق
جلد اول

مؤتمر المصنفین کی دوسری پیش کش
اسلام اور عصر حاضر

REGD-NO.P-90